سرزمین "مہدوپار" کا دینی تعلیمی و اصلاحی برقی رسالہ

ماہنامہ

صدائے اسلام

جلد: ۰۲ - شمارہ نمبر ۰۶ - محرم الحرام ۱۴۴۵ھ - جولائی ۲۰۲۴ء

زیر سرپرستی حضرت مولانا اقبال احمد صاحب قاسمی مدظلہ مہتمم دارالعلوم القاسمیہ، ڈومریا گنج، یوپی

زیر نگرانی حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب قاسمی مدظلہ استاذ مدرسہ عبیرا طہر العلوم لڈوامہوا/امرڈوبھا سنت کبیر نگر، یوپی

مدیر عبدالاحد بستوی امام و خطیب مسجد عمر بن خطابؓ ڈون ضلع نندیال، آندھرا پردیش

نائب مدیر انعام الحسن قاسمی

رابطہ نمبر: 8125329 853 / 8919069149

سرزمین ”مہدوپار“ کا دینی، تعلیمی و اصلاحی برقی رسالہ

ماہنامہ صدائے اسلام

جلد: ۰۲ - شمارہ نمبر ۰۶ - محرم الحرام ۱۴۴۵ھ - جولائی ۲۰۲۴ء

زیر سرپرستی حضرت مولانا اقبال احمد صاحب قاسمی مدظلہ مہتمم دارالعلوم القاسمیہ، ڈومریا گنج، یوپی

زیر نگرانی حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب قاسمی مدظلہ استاذ مدرسہ عربیہ اظہار العلوم لڈوا مہوا/ امرڈوبھا، سنت کبیر نگر، یوپی

مُدیر عبدالاحد بستوی امام و خطیب مسجد عمر بن خطابؓ ڈون ضلع نندیال، آندھرا پردیش

نائب مُدیر انعام الحسن قاسمی

مجلس مشاورت

حضرت مولانا عبداللہ صاحب قاسمی
جناب حافظ اطہر حسین صاحب مہدوپار
مولانا عبدالرقیب صاحب قاسمی
مولانا مشتاق احمد قاسمی
مولانا اظہر الدین قاسمی
مولانا عطاء اللہ قاسمی

مولانا محمد سالم قاسمی
مولانا محمد فیضان قاسمی
مولانا محمد اخلد قاسمی
مولانا محمد قاسم قاسمی
مولانا جاوید اقبال قاسمی
حافظ و ماسٹر کلیم اختر مہدوپار

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں!

فہرست مضامین

نمبر شمار	عناوین	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	اداریہ: گناہوں کا احساس نہ ہونا ایک معاشرتی جرم	مدیر	۵
۲	درس قرآن: شہداء اور انبیاء کی حیات برزخی۔۔۔۔۔	انوار البیان و معارف القرآن	۱۱
۳	درسِ حدیث: یوم عاشورہ کا روزہ اور اس کی تاریخی اہمیت	از معارف الحدیث	۱۸
۴	ماہ محرم الحرام؛ شرعی حیثیت واحکامات اور رسومات	مفتی محمد راشد ڈسکوی	۲۱
۵	حق مہر کے احکامات اور شرعی حیثیت	مولانا محمد طارق نعمان گڑنگی	۳۴
۶	خطیب با کمال؛ مولاناؒ ظفر کمال مظاہریؒ	مولانا محمد رضوان گوہر ندوی	۴۰
۷	اپنی نسلوں کے ایمان کی فکر کیجئے!	مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی	۴۷
۸	انسانی نفسیات اور خیالات کی حقیقت	مفتی مبین الرحمن	۵۱
۹	سنو سنو! ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم	مفتی ناصر الدین مظاہری	۵۴
۱۰	حرام مال کی نحوست اور بدانجامی	انعام الحسن قاسمی	۵۶
۱۱	بغضِ مولوی	مولانا محمد فہیم الدین قاسمی	۶۱
۱۲	مولانا عبدالحفیظ رحمانیؒ اور جمعیت علمائے ہند	مولانا قیام الدین القاسمی	۶۳
۱۳	تقویٰ کی زندگی، فوائد و برکات	مفتی شمعون خانپوری	۷۳
۱۴	مغربی میڈیا کی اسلام دشمنی	ابن عطاء اللہ بنارسی	۸۰
۱۵	بہن بیٹیوں کو میراث میں حصہ دیجئے!	محمد سعید گورکھپوری	۸۳
۱۶	اسراف وفضول خرچی کی مذمت	مولانا محمد عرفان فلاحی	۸۹
۱۷	ماسٹر عبدالقدیر صاحب لوہرسنویؒ	مولانا مشہود رحمانی قاسمی	۹۱
۱۸	بدگمانی کے دینی و دنیاوی نقصانات	محمد عبداللہ مہاراشٹر	۹۴
۱۹	کہاں سے لائیں تجھ جیسا؟	محمد منظور امین	۹۷
۲۰	نظم	یاسر ابوالعاص	۱۰۰

۲۱	حاصل مطالعہ (۳) ازمعارف القرآن ادریسی	عبدالاحد بستوی	۱۰۲
۲۲	علماء وطلباء کیلئے مفید باتیں: ادھار لی گئی کتب پر تعلیقات ۔۔۔	حافظ محمد طاہر	۱۰۸

اداریہ

گناہوں کا احساس نہ ہونا ایک معاشرتی جرم

مدیر کے قلم سے

حامداً و مصلیاً اما بعد!

موت کی پہلی علامت صاحب
یہی احساس کا مر جانا ہے

آج دنیا میں بے شمار فتنے رونما ہیں، ان فتنوں میں سے ایک بڑا فتنہ مسلمانوں کے لیے گناہوں کا احساس نہ ہونا ہے، ایک مسلمان کے نزدیک یہ فتنہ دوسرے فتنوں کے مقابلے میں عظیم فتنہ ہے۔

یہاں پہلے دو باتیں ذہن نشین کرلیں کہ: ایک ہے گناہ ہوجانا، اور دوسرا ہے: گناہ کرنے کے بعد اس کا احساس نہ ہونا۔ دوسری بات پہلی بات سے زیادہ خطرناک ہے، اس لیے کہ انسان سے گناہ کا ہو جانا اتنی تعجب کی بات نہیں، کیونکہ انسان خطا و نسیان کا پتلا ہے، انبیاء کے علاوہ کوئی بھی انسان گناہوں سے معصوم نہیں، انسان سے گناہ ہو ہی جاتا ہے، اونچ نیچ ہو ہی جاتی ہے، بھول چوک ہو ہی جاتی ہے، یہ زیادہ تعجب کی بات نہیں؛ بلکہ زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ انسان گناہوں پر گناہ کرتا چلا جائے اور اسے اس کا احساس نہ ہو کہ وہ گناہ کر رہا ہے۔

آ آج ہمارے معاشرہ میں بے شمار گناہ ہماری نظروں کے سامنے ہو رہے ہیں، علی الاعلان گناہوں کا ارتکاب کیا جا رہا ہے؛ مگر ہمیں اس کا احساس بھی نہیں ہے کہ ہم گناہ کر رہے ہیں اور نافرمانیوں میں مبتلا ہیں، یہ بہت افسوسناک صورتحال ہے، ایسا نہیں ہے کہ اس سے پہلے لوگ کوئی گناہ نہیں کرتے تھے، گناہ کرتے تھے؛ مگر کسی سمجھانے والے کے سمجھانے سے انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا تھا، اور بہت سے لوگ نصیحت قبول بھی کر لیتے تھے، لیکن اب معاملہ اس سے اوپر اٹھ چکا ہے، اب سمجھانے سے بھی لوگ نہیں سمجھتے، گناہوں کے احساس کے فقدان کی وجہ سے کسی کی درست بات پر کان بھی نہیں دھرتے۔

نافرمانی اور گناہوں کی ایک طویل فہرست ہے جو ہمارے معاشرہ میں رائج وشائع ہے، کن کن گناہوں کو شمار کرایا جائے اور کن کن نافرمانیوں کو چھوڑا جائے۔ مثلاً: اجتماعی طور پر نمازوں کا ترک کرنا، یہ ایک گناہ ہی ایسا گناہ ہے کہ جس پر جتنا لکھا اور بولا جائے وہ کم ہے، اس کے علاوہ چغل خوری، غیبت، جھوٹ، حلال وحرام کی تمیز اٹھ جانا، چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کے دشمن بن جانا، والدین کی نافرمانی، بہنوں کو وراثت سے محروم کرنا، غیر مسلموں کی طرح جہیز کا لین دین کرنا، فوج کی شکل میں بارات کا رواج ہونا، دھوکہ دہی، گالی گلوچ کا عام ہونا، سود خوری میں مبتلا ہونا، جوا اور شراب کا ارتکاب، بدنگاہی اور زنا کاری کا عام ہونا، آپس میں کسی بات پر معاملہ خراب ہونے پر ایک دوسرے کی عزتیں اچھالنا، ایک دوسرے کے عیبوں کے پیچھے پڑنا، معمولی معمولی باتوں پر رشتہ ناطہ توڑ لینا وغیرہ، یہ سب ایسے گناہ ہیں جس میں ہمارا معاشرہ ملوث ہے اور ان گناہوں کا احساس بھی معاشرہ سے ہو چکا ہے، ہر شخص گنہگار ہوتے ہوئے بھی خود کو درست سمجھ رہا ہے، اس بات کا بالکل بھی احساس نہیں ہے کہ ہم اللہ کی نظر میں مجرم بن رہے ہیں، اس کی نافرمانی کر رہے ہیں، سوچیں تو سہی کہ ہم کس کی نافرمانی کر رہے ہیں؟ کس سے بغاوت کر رہے ہیں؟ کس ذات سے پنگا لے رہے ہیں؟ اگر اس ذات عظیم کا خیال دل میں ہوتا تو اتنی نافرمانیاں نہ ہوتیں، اور جب پروردگار کا خیال دلوں سے رخصت ہوا تو نتیجتاً معاشرہ گناہوں کی آماجگاہ بن گیا، اور گناہوں کا احساس ختم ہو گیا، گویا جان بوجھ کر گناہ کیا جا رہا ہے، یہ بڑی جرأت ہے۔

گناہوں پر اصرار یعنی بے فکری اور بے خوفی کے ساتھ گناہ کرتے رہنا اور اس پر قائم و دائم رہنا بڑی بدبختی اور بہت برے انجام کی نشانی ہے، اگر انسان کو اس کے گناہ کا علم ہی نہ ہو، عدم واقفیت کے سبب گناہ سرزد ہو جائے یا گناہ ہونے کا علم ہو مگر اس کی سزا اور اس کی قباحت نہ جانتا ہو؛ اس کو قرآن نے "جہالت" سے تعبیر کیا ہے، ایسے گناہ سچی توبہ سے بلاشبہ معاف ہو جاتے ہیں، لیکن اگر انسان کو گناہ ہونے کا علم ہو اور اس کی شدت کا بھی اندازہ ہو؛ مگر پھر بھی جان بوجھ کر اس کو کیا جائے تو یہ ایک ایسی جسارت ہے جو اللہ کے نزدیک جرم عظیم ہے۔

مسلسل گناہوں کے کرنے کی وجہ سے ہمارے دل کالے ہو گئے ہیں، حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ گناہوں کے مسلسل ارتکاب سے دل میں سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے، اگر توبہ کرلیں تو یہ سیاہ دھبہ مٹ جاتا ہے، لیکن اگر توبہ نہ کریں اور گناہوں کا ارتکاب ہوتا چلا جائے تو پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ دل پر زنگ آجاتا ہے، پھر نیک و بد، حلال وحرام، جائز و ناجائز کا فرق ختم ہو جاتا ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ کا مفہوم ہے کہ: "آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں؛ بلکہ سینوں میں جو دل ہے وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں"۔ افسوس آج ہماری حالت کچھ ایسی ہی ہو چکی ہے۔

دیکھنے میں یہ بھی آتا ہے کہ کچھ لوگ ڈھٹائی کے ساتھ کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں، اور سمجھانے کے باوجود باز نہیں آتے، مزید یہ کہ اپنے گناہوں کا پرچار بھی کرتے ہیں، ایسے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بڑے ہوشیار ہیں، اور بظاہر اپنی اچھائی کا ڈھنڈورا پیٹ کر برائی کرنے میں لگے ہیں، شاید وہ بھول جاتے ہیں اس عمل بد کے ذریعہ وہ اس قہار کے غضب کو دعوت دے رہے ہیں جس نے نافرمانیوں پر ڈھٹائی اور بے شرمی کے جرم میں قوم عاد وثمود کو تباہ کر دیا تھا، یہ تو اللہ پاک کی بے پایاں مہربانی ہے کہ اتنے جرموں کے کرنے کے باوجود وہ ہمیں ڈھیل اور مہلت دے رہا ہے، اور اب بھی اس نے ہمارے اوپر رحمت کی چادر ڈال رکھی ہے، ورنہ وہ جب چاہے ہماری گرفت کر سکتا ہے، اس لیے اپنی برائیوں پر فوراً توبہ کرنے، رونے اور اس کے دربار میں رجوع ہونے کی ضرورت ہے، نہ کہ ان پر جسارت اور ڈھٹائی کی۔ ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ انہیں بہت سخت عذاب ہوگا، اور ان کے اس فریب کا پردہ بھی چاک ہو جائے گا، اور ان کی ہوشیاری بھی تباہ ہو جائے گی۔ سورۂ مائدہ میں ہے کہ: "واللہ لا یھدی القوم الفاسقین" یعنی اللہ تعالیٰ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نصیب نہیں کرتا جو برائی کو ترک کرنے کے لیے تیار نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ لوگ جب اللہ سے منہ موڑ لیتے ہیں تو ان پر اللہ کا یہ غضب ہوتا ہے کہ ان کی سوچ الٹ جاتی ہے، اور انہیں برائی کے کام بھلے لگنے لگتے ہیں، اور یوں وہ نافرمانیاں کرتے چلے جاتے ہیں، جب آدمی سے احساس ختم ہو جاتا ہے تو اس کا دل حق قبول کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے، اس کی فطرت ایسی مسخ ہو جاتی ہے کہ اسے اپنی تمام بداعمالیاں نیکیاں دکھائی دیتی

ہیں، اور مشرکانہ، کافرانہ، فاسقانہ و فاجرانہ اعمال کو برا سمجھنے کے بجائے اچھا سمجھنے لگتا ہے، اور یہی وہ خطرناک بات ہے جس کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

زندگی کی سانس رکنے سے پہلے تک وقت ہے کہ ہمیں اپنی نافرمانیوں اور بداعمالیوں کا احساس ہو جائے، اور تمام ظاہری و باطنی گناہوں سے توبہ کر لی جائے تو ہمارے اور ہمارے معاشرہ کے حق میں مفید ثابت ہوگا، ورنہ مرنے کے بعد سوائے شرمندگی اور ندامت کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا، اور مرنے کے بعد گناہوں پر شرمندہ ہونے سے کوئی فائدہ بھی نہ ہوگا، لہذا ابھی موقع ہے، اس موقع کو غنیمت سمجھ کر پروردگار کے دربار میں رجوع ہونے کی ضرورت ہے۔

ایمانی ضمیر کا زندہ ہونا اور گناہوں کا احساس ہونا بہت بڑی دولت ہے، یہی چیز ہمیں خالق کائنات کی نافرمانیوں سے روک سکتی ہے اور زندگی کو صحیح رخ پر لا سکتی ہے۔

سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ خلافت ملنے سے پہلے وہ بہت خوش پوشاک تھے، اور خوشبو وغیرہ لگانے کے عادی تھے، اور بہت ہی اچھے اور معیاری انداز میں زندگی گزارتے تھے، حتی کہ ان کی چال تک لوگوں میں مشہور تھی اور ان کے چلنے کے طرز کا نام پڑ گیا تھا "المشية العمريه" "یعنی عمر بن عبدالعزیز والی چال" اور لوگ رشک کرتے تھے، لیکن جب ان کو خلافت ملی تو ایک دم سے ان میں تبدیلی آ گئی اور وہ بالکل بدل گئے، اور اپنی زندگی کو انہوں نے اس طرح بدل دیا کہ ان کے پاس عیش وعشرت کا جو بھی سامان تھا وہ سب ترک کر دیا اور سب غریبوں کو دے دیا، اور بہت ہی معمولی اور تنگی اور عسرت کی زندگی اختیار کر لی، تاریخ میں آتا ہے کہ پھر انہوں نے ایسی حکومت کی کہ مثال قائم کر دی، اور کہنے والے کہنے لگے کہ خلفائے راشدین چار نہیں پانچ ہیں، اور پانچویں عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں، اور یہ عمر بن عبدالعزیزؒ وہ تھے جو پہلے بہت خوشحالی کی زندگی گزارتے تھے۔ بات کیا تھی؟ احساس ہوا، جب خلافت ملی تو ان کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہوا اور شدید احساس ہوا، اور بالکل ان کی زندگی بدل گئی، اور انہوں نے ایک انقلاب برپا کر دیا۔

تو بات احساس ہی کی ہے کہ ہمیں پروردگار کی نافرمانیوں کا احساس ہو جائے، اپنے مسلمان

ہونے کا احساس ہو جائے، اپنے ایمانی تقاضوں کا احساس ہو جائے، رب کے حضور کھڑا ہونے کا احساس ہو جائے، حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتی ہونے کا احساس ہو جائے تو پھر ہماری زندگیوں میں بھی انقلاب آ سکتا ہے، ہمارا روٹھا رب راضی ہو سکتا ہے، معاشرہ کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ رب العالمین کی ذات تو وہ ہے کہ جب بندے اپنی غلطی تسلیم کر کے اس کی طرف رجوع ہوتے ہیں تو وہ بہت خوش ہوتا ہے اور اسے اپنے بندوں کو معاف کرنے میں دیر نہیں لگتی، غلطی اور گناہوں کا احساس اور پھر اس پر گریہ وزاری اس کو بہت پسند ہے۔ ایک آیت کا مفہوم ہے کہ: "بے شک اللہ محبت رکھتا ہے توبہ کرنے والوں سے"۔ تو تاخیر بس ہماری طرف سے ہے۔

آج ہم اور ہمارا معاشرہ گناہوں کی دلدل میں غرق ہے، قدم قدم پر رب کریم کی نافرمانیاں ہو رہی ہیں، ہماری صبح، ہماری شام، ہماری رات اور دن معصیتوں سے آلودہ ہیں، نفس و شیطان کے چنگل میں پھنس کر ہم اپنے رحیم و مہربان پروردگار کی بغاوت کے مرتکب ہو رہے ہیں، دنیا کی محبت نے ہمیں آخرت سے غافل کر رکھا ہے، اس فانی، عارضی اور ختم ہو جانے والی زندگی کو ہم نے اپنا مطمح نظر بنایا ہوا ہے، خوفِ خدا، فکرِ آخرت اور بارگاہِ الٰہی میں حاضری کا احساس معدوم ہوتا جا رہا ہے، جس کا نتیجہ سامنے ہے، گناہوں کی کثرت نے ہم پر آفات و بلیات اور مصائب و آلام کے وہ پہاڑ توڑے کہ الامان والحفیظ! لہٰذا اب اور تاخیر کرنا مناسب نہیں۔

علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں سورۂ انا انزلنا کے ذیل میں ایک روایت نقل کی ہے، جس سے گنہگاروں کی ندامت اور شرمندگی کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: گناہگاروں کا رونا، آہ کرنا، گڑگڑانا مجھے تسبیح پڑھنے والوں کی سبحان اللہ کی آوازوں سے بھی زیادہ محبوب ہے"۔

خلاصہ یہ کہ انسان جب ندامت، شرمندگی اور اللہ کے حضور جوابدہی کا احساس پیدا کرتا ہے اور اپنے کو مجرم اور خطاوار سمجھ کر معافی اور بخشش مانگتا اور آئندہ کے لیے توبہ کرتا ہے، تو اس کے سارے گناہ

معاف کر دیئے جاتے ہیں، اور وہ اللہ کی نظر میں اتنا محبوب اور پیارا انسان ہو جاتا ہے جیسا کہ اس نے کوئی گناہ ہی نہ کیا ہو۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام ظاہری و باطنی گناہوں سے بچائے، اور اگر کبھی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ ورجوع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

درس قرآن

شہداء اور انبیاء کی حیاتِ برزخی اور اس کے درجات میں تفاضل

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (البقرۃ:۱۵۴)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوں ان کو مردہ نہ کہو، دراصل وہ زندہ ہیں مگر تم کو (ان کی زندگی کا) احساس نہیں ہوتا۔

شان نزول: علامہ واحدی اسباب النزول (ص ٤٠) میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت بدر میں شہید ہو جانیوالے مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ جن میں آٹھ حضرات انصار میں سے اور چھ حضرات مہاجرین میں سے تھے۔ شہید ہو جانے والوں کے بارے میں بعض لوگوں نے یوں کہا کہ فلاں مر گیا اور دنیا میں لذت اور نعمت اس سے فوت ہوگئی تو آیت بالا کا نزول ہوا۔

تفسیر: اللہ کے دین کے پھیلانے اور حق کے آگے بڑھنے میں جو لوگ آڑے آتے ہیں ان سے نبٹنے کے لیے جہاد اور قتال کرنا پڑتا ہے، جب جہاد کرتے ہیں تو ضروری نہیں کہ سب کافر ہی مقتول ہوں اس میں بہت سے مسلمان بھی مقتول ہو جاتے ہیں، ان مقتول مسلمانوں کو ”شہداء“ کا معزز خطاب دیا گیا ہے۔ شہیدوں کے بڑے مرتبے ہیں، ان سے بلند درجات کے وعدے ہیں، ان کی برزخی زندگی بھی دوسروں سے ممتاز ہے، اسی لیے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کے بارے میں یوں نہ کہو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں، ان پر موت طاری ہوئی ہے۔ لیکن برزخی زندگی میں ان کو امتیازی مرتبہ حاصل ہے۔ تم لوگ ان کی اس حیات کا ادراک نہیں کر سکتے۔ سورۃ آل عمران میں شہدا کے بارے میں ارشاد فرمایا (وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ، فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ) اور ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں، اللہ نے جو کچھ ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا اس پر خوش ہیں۔

حیات برزخیہ میں سب سے زیادہ قوی تر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ہے، ان کے

اجسام کوزمین نہیں کھاتی۔حدیث شریف میں ہے۔ان اللہ حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء (رواہ ابوداؤد) اوران کی حیات برزخیہ اس قدر ممتاز ہے کہ اس کے بعض آثار واحکام دنیا میں بھی بعض امور میں ظاہر ہیں۔مثلاً: ان کی میراث کا تقسیم نہ ہونا اورازواج مطہرات کا ان کی وفات کے بعد دوسروں سے نکاح جائز نہ ہونا۔حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ممتاز اورقوی تر حیات برزخیہ کے بعد "شہداء" کی حیات کا درجہ ہے، جس کا آیت بالا میں اورسورۃ آل عمران کی آیت میں تذکرہ ہے۔ان کے بعد دوسرے لوگوں کی حیات ہے جس کے ذریعہ قبر میں عذاب ہوتا یا آرام ملتا ہے۔ان کی تفصیلات احادیث شریفہ میں موجود ہیں۔

شہید چونکہ اپنا جان ومال لے کر حاضر ہوجاتا ہے اوراللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کردیتا ہے، اس لیے اس کا اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بڑا مرتبہ ہے۔ان کا جو وہاں اکرام ہوتا ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ دنیاوی زندگی اس کے سامنے ہیچ در ہیچ ہے۔حضرت مسروق تابعیؒ نے بیان فرمایا کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے آیت کریمہ (وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ) (الآیۃ) کے بارے میں معلوم کیا، توانہوں نے فرمایا کہ ہم نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شہیداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں، ان کے لیے قندیل ہیں جوعرش کے نیچے لٹکے ہوئے ہیں، یہ پرندے جنت میں جہاں چاہتے ہیں چلتے پھرتے ہیں، پھران قندیلوں میں آجاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان سے فرمایا کہ تم کچھ خواہش رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم کیا خواہش کریں۔(اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ) ہم جنت میں جہاں چاہیں پھرتے ہیں اورکھاتے پیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ شانہ، نے تین مرتبہ ان سے یہی سوال فرمایا، جب انہوں نے دیکھا کہ سوال ہوتا ہی رہے گا کچھ نہ کچھ جواب دینا ہی ہے، توعرض کیا: اے رب! ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں دوبارہ جسموں میں واپس کردی جائیں تاکہ ہم پھر تیری راہ میں مقتول ہوجائیں۔جب انہوں نے کسی اورحاجت کا سوال نہ کیا (اوروہاں سے واپسی کا قانون نہیں ہے) توان کوان کے حال پرچھوڑ دیا گیا۔(مسلم)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی بندہ وفات پا جاتا ہے جس کے لیے اللہ کے پاس خیر ہو (یعنی عذاب سے نجات ہو اور وہاں کی نعمتوں سے متمتع ہو رہا ہو) اسے یہ خوشی نہیں ہوتی کہ دنیا میں واپس آ جائے۔ اگر چہ دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب اسے مل جائے سوائے شہید کے، شہید کو اس بات کی خوشی ہوتی ہے کہ دنیا میں دوبارہ آ جائے اور پھر اللہ کی راہ میں قتل ہو جائے، کیونکہ وہ (وہاں پہنچ کر) شہادت کی فضیلت دیکھ لیتا ہے۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ ضرور میری یہ خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ (بخاری)

نبوت کا مرتبہ تو ہر مرتبہ سے فائق ہے اور برتر ہے پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی راہ میں بار بار شہید ہونے کی تمنا ظاہر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں ہیں، بار بار قتل ہونے اور زندہ ہونے کی تمنا تو پوری نہ فرمائی لیکن آپ کو درجۂ شہادت اس طرح سے عطا فرما دیا کہ غزوۂ خیبر میں جو ایک یہودی عورت نے بکری کے بھنے ہوئے دست میں زہر ملا کر دیا تھا اس کا اثر وقتی طور پر رک گیا تھا لیکن وفات کے وقت اس نے اثر کیا اور وہ آپؐ کی وفات کا ذریعہ بن گیا۔

حقوق العباد کے علاوہ شہید کا سب کچھ معاف ہے

شہید کی بہت بڑی فضیلت ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا، لیکن فی سبیل اللہ قتل ہو جانے سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے: **یغفر للشھید کل ذنب الا الدین**۔ کہ شہید کا ہر گناہ معاف کر دیا جاتا ہے قرض کے علاوہ۔ (مسلم)

جہاد میں اخلاص کی ضرورت

شہادت کا درجہ ملنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ صرف اللہ کی رضا کے لیے دشمنان دین سے جنگ کی ہو اور اس میں مقتول ہوا ہو اور اللہ کی بات اونچی کرنے کے لیے لڑا ہو۔ حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایک

شخص غنیمت کے لیے جنگ کرتا ہے، ایک شخص اپنی شہرت کے لیے لڑتا ہے اور ایک شخص اس لیے لڑتا ہے کہ بہادری میں اس کا مقام اور مرتبہ مشہور ہو جائے۔ سوان میں اللہ کی راہ میں کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اس لیے جنگ کرے کہ اللہ کی بات بلند ہو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (بخاری و مسلم)

دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص بہادری ظاہر کرنے کے لیے جنگ کرتا ہے اور ایک شخص (قوم یا وطن) کی حمیت کی وجہ سے جنگ کرتا ہے اور ایک شخص ریا کاری کے لیے جنگ کرتا ہے۔ سوان میں اللہ کی راہ میں کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اس لیے جنگ کرتا ہے کہ اللہ کی بات بلند ہو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بھی شخص کو اللہ کی راہ میں زخم پہنچ جائے اور اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اس راہ میں کس کو زخم پہنچا تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون جاری ہوگا۔ رنگ خون کا ہوگا، اور خوشبو مشک کی ہوگی۔ (صحیح مسلم)

اس میں یہ جو فرمایا کہ ''اللہ ہی کو معلوم ہے جو اللہ کی راہ میں زخمی ہوا''۔ اس میں اسی اخلاص کی طرف اشارہ ہے جس کی ہر عبادت میں ضرورت ہے۔ بندے ظاہری اعمال تو دیکھتے ہیں لیکن اصل معاملہ اللہ سے ہے، اگر اللہ کے نزدیک اس کی نیت یہ ہے کہ میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے تو عمل کا ثواب ملتا ہے اور وہ فضیلتیں حاصل ہوتی ہیں جن کا وعدہ کیا گیا ہے، اور اگر کسی عمل سے ریا اور شہرت مقصود ہو تو اس سے ثواب کیا ملتا وہ تو آخرت میں وبال بن جائے گا۔ اور آخرت میں دوزخ میں داخل کرانے کا ذریعہ ہوگا۔

وطنی اور قومی جنگ میں قتل ہونے والے شہید نہیں ہیں

آج کل بھی دنیا میں جنگ و جدال اور قتل و قتال جاری ہے، لوگ برابر مر رہے ہیں، قتل ہو رہے ہیں، لیکن عموماً قومی، وطنی، لسانی، صوبائی عصبیت کی وجہ سے لڑائیاں ہو رہی ہیں، اللہ کی رضا کا کہیں سے کہیں تک بھی خیال نہیں، پھر ان لڑائیوں میں جو کوئی مارا جاتا ہے اس کو شہید بھی کہتے ہیں، الانکہ شہید وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہید ہو، اور اب تو شہید وطن اور شہید قوم کے الفاظ بھی زبانوں پر

جاری ہیں اور صحیفوں جریدوں میں آ رہے ہیں، حد یہ ہے کہ کافروں اور ملحدوں کے لیے شہید کا لفظ استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ سب جہالت اور الحاد اور بے دینی کی باتیں ہیں۔ **حفظنا اللہ من الضلال** (تفسیر انوار البیان)

معارف القرآن میں ہے:

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اسلامی روایات کی رو سے ہر مرنے والے کو برزخ میں ایک خاص قسم کی حیات ملتی ہے جس سے وہ قبر کے عذاب یا ثواب کو محسوس کرتا ہے، اس میں مومن وکافر یا صالح وفاسق میں کوئی تفریق نہیں، لیکن اس حیات برزخی کے مختلف درجات ہیں، ایک درجہ تو سب کو عام اور شامل ہے، کچھ مخصوص درجے انبیاء وصالحین کے لئے مخصوص ہیں اور ان میں بھی باہمی تفاضل ہے۔ اس مسئلہ کی تحقیق پر علماء کے مقالات وتحقیقات بے شمار ہیں، لیکن ان میں سے جو بات اقرب الی الکتاب والسنت ہے اور شبہات سے پاک ہے اس کو سیدی حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے بیان القرآن میں واضح فرمایا ہے، اس جگہ اسی کو نقل کرنا کافی معلوم ہوا۔

”ایسے مقتول کو جو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے شہید کہتے ہیں، اور اس کی نسبت گو یہ کہنا کہ وہ مر گیا صحیح اور جائز ہے لیکن اس کی موت کو دوسرے مردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ بعد مرنے کے گو برزخی حیات میں اور مُردوں سے ایک گونہ امتیاز ہے، اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اس کی یہ حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے، جیسے انگلیوں کے اگلے پورے اور ایڑی اگرچہ دونوں میں حیات ہے اور حیات کے آثار بھی دونوں میں موجود ہیں، لیکن انگلیوں کے پوروں میں حیات کے آثار احساس وغیرہ بہ نسبت ایڑی کے زیادہ ہیں، اسی طرح شہداء میں آثارِ حیات عام مُردوں سے بہت زیادہ ہیں، حتیٰ کہ شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر برخلاف معمولی مُردوں کے اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچا ہے کہ اس کا جسم باوجود مجموعہ گوشت و پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل جسم زندہ کے صحیح سالم رہتا ہے، جیسا کہ احادیث اور مشاہدات شاہد ہیں، پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو احیاء کہا گیا اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی، مگر احکامِ ظاہرہ میں وہ عام مُردوں

کی طرح ہیں، ان کی میراث تقسیم ہوتی ہے اور ان کی بیویاں دوسروں سے نکاح کر سکتی ہیں، اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں، یہاں تک کہ سلامتِ جسم کے علاوہ اس حیات برزخی کے کچھ آثار ظاہری احکام پر بھی پڑتے ہیں، مثلاً: ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، ان کی ازواج دوسروں کے نکاح میں نہیں آسکتیں، پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں، پھر شہداء پھر اور معمولی مُردے، البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولیاء وصالحین بھی اس فضیلت میں شہداء کے شریک ہیں، سو مجاہدۂ نفس میں مرنے کو بھی معنی شہادت میں داخل سمجھیں گے اس طور پر وہ بھی شہداء ہوگئے یا یوں کہا جاوے کہ آیت میں شہداء کی تخصیص عام قرون کے اعتبار سے ہے، شہداء کے ہم مرتبہ دوسرے لوگ صالحین وصدیقین کے اعتبار سے نہیں۔

اور اگر کسی شخص نے کسی شہید کی لاش کو خاک خوردہ پایا ہو تو سمجھ لے کہ ممکن ہے اس کی نیت خالص نہ ہو جس پر مدار ہے قتل کے شہادت ہونے کا، اور صرف قتل شہادت نہیں ہے، اور اگر فرضاً ایسا شہید خاک خوردہ پایا جاوے جس کا قتل فی سبیل اللہ اور اس کا جامع شرائط شہادت ہونا دلیل قطعی تواتر وغیرہ سے ثابت ہو (جس کا شبہ صاحب روح المعانی کو ہوگیا ہے) تو اس کی وجہ میں کہا جاوے گا کہ حدیث میں جس چیز کی تصریح ہے وہ یہ انبیاء علیہم السلام وشہداء کے جسم کو زمین نہیں کھاتی یعنی مٹی ان کے جسم کو خراب نہیں کر سکتی، اجزاء ارضیہ مٹی وغیرہ کے علاوہ کسی دوسری چیز سے ان کے جسم کا متاثر ہو کر فنا ہو جانا پھر بھی ممکن ہے، کیونکہ زمین میں اور بھی بہت سی اقسام وانواع کی دھاتیں اور ان کے اجزاء اللہ تعالیٰ نے رکھ دیئے ہیں، اگر ان کی وجہ سے کسی شہید کا جسم متاثر ہو جائے تو اس آیت کے منافی نہیں۔

چنانچہ دوسرے اجسام مرکبہ مثل اسلحہ وادویہ واغذیہ واخلاط واجسام بسیطہ مثل آب وآتش وباد کی تاثیر انبیاء علیہم السلام کے اجساد میں بھی ثابت ہے، اور شہداء کی حیات بعد الممات انبیاء

علیہم السلام کی حیات قبل الممات سے اقوی نہیں، اور بعض حصہ ارض میں بعض اجزاء غیر ارضیہ بھی شامل ہو جاتے ہیں، س طرح دوسرے عناصر میں بھی مختلف عناصر شامل ہو جاتے ہیں، سو اگر ان اجزائے غیر ارضیہ سے ان کے اجساد متأثر ہو جاویں تو اس سے ان احادیث پر اشکال نہیں ہوتا جن میں حرمت اجساد علی الارض وارد ہے۔

اور ایک جواب یہ ہے کہ امتیاز اجساد شہداء کے لئے یہ کافی ہے کہ دوسری اموات سے زیادہ مدت تک ان کے اجساد خاک سے متأثر نہ ہوں گو کسی وقت میں ہو جاویں، اور احادیث سے یہی امر مقصود کہا جاوے کہ ان کی محفوظیت اجساد کی خارق عادت ہے، اور خرق عادت کی دونوں صورتیں ہیں، حفظ مؤبد اور حفظ طویل، اور چونکہ عالم برزخ حواس یعنی آنکھ، کان، ناک، ہاتھ وغیرہ سے مدرک نہیں ہوتا، اس لئے لا تشعرون فرمایا گیا کہ تم ان کی حیات کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ (معارف القرآن)

درس حدیث

یوم عاشورہ کا روزہ اور اس کی تاریخی اہمیت

(معارف الحدیث سے ماخوذ)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِينَةَ فَوَجَدَ الْيَهُودَ صِيَامًا، يَوْمَ عَاشُورَاءَ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا هَذَا الْيَوْمُ الَّذِي تَصُومُونَهُ؟« فَقَالُوا: هَذَا يَوْمٌ عَظِيمٌ، أَنْجَى اللهُ فِيهِ مُوسَى وَقَوْمَهُ، وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ، فَصَامَهُ مُوسَى شُكْرًا، فَنَحْنُ نَصُومُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: » فَنَحْنُ أَحَقُّ وَأَوْلَى بِمُوسَى مِنْكُمْ فَصَامَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے، تو آپ نے یہود کو یوم عاشورہ (۱۰ محرم) کا روزہ رکھتے دیکھا۔ آپؐ نے ان سے دریافت کیا (تمہاری مذہبی روایات میں) یہ کیا خاص دن ہے (اور اس کی کیا خصوصیت اور اہمیت ہے) کہ تم اس کا روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ: ہمارے ہاں یہ بڑی عظمت والا دن ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو نجات دی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرق آب کیا تھا، تو موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے شکر میں اس دن کا روزہ رکھا تھا، اس لیے ہم بھی (ان کی پیروی میں) اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ کے پیغمبر موسیٰؑ سے ہمارا تعلق تم سے زیادہ ہے اور ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی عاشورہ کا روزہ رکھا اور امت کو بھی اس دن کے روزے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ پہنچ کر ہی عاشورہ کے دن روزہ رکھنا شروع فرمایا۔ حالانکہ صحیح بخاری وصحیح مسلم ہی میں حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صریح روایت موجود ہے کہ قریش مکہ میں قبل از اسلام بھی یومِ عاشورہ کے روزے کا رواج تھا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہجرت سے پہلے مکہ معظّمہ میں یہ روزہ رکھا کرتے تھے۔ پھر جب آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو یہاں آ کر آپ نے خود بھی یہ روزہ رکھا اور مسلمانوں کو اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ یوم عاشورہ زمانہ جاہلیت میں قریش مکہ کے نزدیک بھی بڑا محترم دن تھا، اسی دن خانہ کعبہ پر نیا غلاف ڈالا جاتا تھا اور قریش اس دن روزہ رکھتے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی کچھ روایات اس دن کے بارے میں ان تک پہنچی ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا کہ قریش ملت ابراہیمی کی نسبت سے جو اچھے کام کرتے تھے ان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے اتفاق اور اشتراک فرماتے تھے ل۔ اسی بناء پر حج میں بھی شرکت فرماتے تھے۔ پس اپنے اس اصول کی بناء پر آپ قریش کے ساتھ عاشورہ کا روزہ بھی رکھتے تھے، لیکن دوسروں کو اس کا حکم نہیں دیتے تھے، پھر جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور یہاں کے یہود کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا اور ان سے آپ کو یہ معلوم ہوا کہ وہ یہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کو اللہ نے نجات فرمائی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا (اور مسند احمد وغیرہ کی روایت کے مطابق اسی یوم عاشورہ کو حضرت نوحؑ کی کشتی جودی پہاڑ پر لگی تھی) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دن کے روزے کا زیادہ اہتمام فرمایا، اور مسلمانوں کو عمومی حکم دیا کہ وہ بھی اس دن روزہ رکھا کریں۔ بعض احادیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا ایسا تاکیدی حکم دیا جیسا حکم فرائض اور واجبات کے لیے دیا جاتا ہے ل۔ چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ربیع بن معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا اور سلمہ بن الاکوع سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوم عاشورہ کی صبح مدینہ کے آس پاس کی ان بستیوں میں جن میں انصار رہتے تھے یہ اطلاع بھجوائی کہ جن لوگوں نے ابھی کچھ کھایا پیا نہ ہو وہ آج کے دن روزہ داروں کی طرح رہیں۔

ان حدیثوں کی بناء پر بہت سے ائمہ نے یہ سمجھا ہے کہ شروع مین عاشورہ کا روزہ واجب تھا، بعد میں جب رمضان مبارک کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہوگئ اور اس کی حیثیت ایک نفلی روزے کی رہ گئی ہے، جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا یہ ارشاد ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ "مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس کی برکت سے پہلے ایک سال کے گناہوں کی صفائی ہوجائے گی"۔ اورصوم یوم عاشورہ کی فرضیت منسوخ ہوجانے کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا معمول یہی رہا کہ آپ رمضان مبارک کے فرض روزوں کے علاوہ سب سے زیادہ اہتمام نفلی روزوں میں اسی کا کرتے تھے۔ (معارف الحدیث، کتاب الصوم)

ماہِ محرم الحرام؛ شرعی حیثیت واحکامات اور رسومات

مفتی محمد راشد ڈَسکوی عفا اللہ عنہ
دار الافتاء جامع مسجد اشتیاق، ڈسکہ

اسلامی سال کے اس پہلے مہینے کی اللہ کے ہاں بڑی قدر ہے، یہ عظمت والے مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے، تاریخی روایات کے مطابق اس مہینے میں بہت سے عظیم الشان واقعات پیش آئے، اس ماہ سے متعلق اَحکامات کے اعتبار سے صحیح اور مستند احادیث سے جو امور سامنے آتے ہیں وہ صرف چار ہیں:

ماہِ محرم الحرام میں پہلا حکم

ماہِ محرم الحرام کا سب سے پہلا حکم: اسلامی ماہ وسال کے دیگر مہینوں کی طرح اس مہینے کا بھی چاند دیکھنا مسنون عمل ہے، اور اس موقع پر دعا پڑھنا بھی مسنون ہے، احادیث مبارکہ میں چاند دیکھ کر پڑھی جانے والی دو دعائیں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں، [1]: ”اَللّٰهُمَّ أَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ، وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ، وَالتَّوْفِيقِ لِمَا تُحِبُّ رَبَّنَا وَتَرْضَى، رَبُّنَا وَرَبُّكَ اللّٰهُ“۔ [سنن الدارمی، رقم الحدیث: ۱٦۸۷] ترجمہ: ”اے اللہ اس چاند کو ہم پر امن وایمان، سلامتی واسلام اور ایسے کاموں کی توفیق دینے کے ساتھ طلوع کر جن کو تو پسند کرتا ہے اور جن سے تو راضی ہوتا ہے، اے چاند! تیرا اور ہمارا پروردگار صرف اللہ ہی ہے"

[2]: ”اَللّٰهُمَّ أَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ رَبِّي وَرَبُّكَ اللّٰهُ“۔ ترجمہ: ”اے اللہ! اس چاند کو امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ ہم پر طلوع فرما، (اے چاند) میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ [جامع الترمذی، رقم الحدیث: ۳۴۵۱]

ماہِ محرم الحرام میں دوسرا حکم

محرم الحرام چونکہ اشہر حرم میں سے ہے، یعنی: یہ مہینہ بنسبت دیگر مہینوں کے زیادہ عظمت اور فضیلت والا مہینہ ہے، جس کی وجہ سے اس مہینہ کا احترام کرنا بھی لازم ہے، اور احترام یہ ہے کہ اس

مہینہ میں گناہوں سے بچنے کا خصوصی اہتمام کیا جائے، اور عبادات کی کثرت کی جائے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اپنی تفسیر ''معارف القرآن'' [۴/ ۳۷۲] میں امام جصاص رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''امام جصاص رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان برکت والے مہینوں کا خاصہ یہ ہے کہ ان میں جو شخص کوئی عبادت کرتا ہے اس کو بقیہ مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق اور ہمت ہوتی ہے، اسی طرح جو شخص کوشش کر کے اِن مہینوں میں اپنے آپ کو گناہوں اور بُرے کاموں سے بچالے تو باقی سال کے مہینوں میں اس کو اُن برائیوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے، اِس لیے ان مہینوں سے فائدہ نہ اُٹھانا ایک عظیم نقصان ہے''۔

تفسیر احکام القرآن للجصاص [۴/ ۳۰۶، دار إحیاء التراث العربي] کی عبارت یہ ہے:۔

''فيَكُونُ تَرْكُ الظُّلْمِ وَالْقَبَائِحِ فِي هَذِهِ الشُّهُورِ وَالْمَوَاضِعِ دَاعِيًا إلى تركها في غيره، ويصير فِعْلُ الطَّاعَاتِ وَالْمُوَاظَبَةُ عَلَيْهَا فِي هَذِهِ الشُّهُورِ وَهَذِهِ الْمَوَاضِعِ الشَّرِيفَةِ دَاعِيًا إلَى فِعْلِ أَمْثَالِهَا فِي غَيْرِهَا''۔

ماہِ محرم الحرام میں تیسرا حکم

اس مہینہ کا تیسرا بڑا عمل: اس ماہِ مبارک میں مطلقاً کسی بھی دن روزہ رکھنا ہے، کیونکہ احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کے بعد سب سے افضل روزہ اس مہینہ کے اندر رکھا ہوا روزہ شمار ہوتا ہے، نیز! نو اور دس محرم یا دس اور گیارہ محرم کا روزہ رکھنا اور بھی زیادہ فضیلت کی چیز ہے، چناں چہ سنن ابی داؤد (رقم الحدیث: ۲۴۲۹) کی حدیث میں وارد ہے کہ

[☆] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ، وَإِنَّ أَفْضَلَ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْمَفْرُوضَةِ صَلَاةُ مِنَ اللَّيْلِ''۔ ترجمہ: رمضان کے روزوں کے بعد سب سے افضل اللہ کے مہینہ محرم کے روزے

ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل رات کی نماز (تہجد) ہے۔

مذکورہ حدیث مبارکہ سے تو پورے ماہِ محرم میں کسی بھی دن روزہ رکھنے کی فضیلت معلوم ہوئی کہ رمضان المبارک کے بعد سب سے افضل روزے اس مہینے کے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ احادیث مبارکہ سے اس مہینے کے مخصوص ایام، یعنی: عاشوراء کے دن کے روزے کی فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے، اس دن کے روزے کا اہتمام جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی فرمایا کرتے تھے اور اپنی امت کو بھی اسی کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

[☆] چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: "مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَتَحَرّٰى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهُ عَلَى غَيْرِهِ إِلَّا هَذَا اليَوْمَ، يَوْمَ عَاشُورَاءَ، وَهَذَا الشَّهْرَ يَعْنِي شَهْرَ رَمَضَانَ"۔ [صحيح البخاري، رقم الحديث: ٢٠٠٦] ترجمہ: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سوائے ماہ رمضان اور یوم عاشوراء کے کسی بھی فضیلت والے دن کے روزے کا اہتمام اور فکر کرتے نہیں دیکھا۔

[☆] اسی طرح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "أَرْبَعٌ لَمْ يَكُنْ يَدَعُهُنَّ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: صِيَامَ عَاشُورَاءَ، وَالْعَشْرَ، وَثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْغَدَاةِ" [سنن النسائی، رقم الحدیث: ۲۴۱۸] ترجمہ: چار چیزیں ایسی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں کبھی نہیں چھوڑتے تھے، [1]: عاشوراء کا روزہ، [2]: ذی الحجہ کے پہلے عشرے کے روزے، [3]: ہر مہینے کے تین روزے، [4]: فجر سے پہلے کی دو رکعتیں۔

[☆] ایک لمبی حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاشوراء کے روزے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ، أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ، وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ، وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُورَاءَ، أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ"۔ [صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۱۶۲] ترجمہ: "میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ عرفہ (یعنی: 9/ ذی الحجہ) کا روزہ رکھنا گزشتہ اور آنے والے سالوں کے (صغیرہ) گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، اور میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ عاشوراء (یعنی: 10/محرم) کا روزہ گزشتہ ایک سال کے (صغیرہ) گناہوں کا کفارہ ہو

جاتا ہے“۔

[☆] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :۔”حِينَ صَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَوْمَ عَاشُورَاءَ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّهُ يَوْمٌ تُعَظِّمُهُ الْيَهُودُ وَالنَّصَارٰى، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: فَإِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ صُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ، قَالَ: فَلَمْ يَأْتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ، حَتَّى تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“۔[صحيح مسلم، رقم الحديث: ۱۱۳۴]

ترجمہ: جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاشوراء کے دن خود روزہ رکھا، اور حضرات صحابہ کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا؛ تو اِس پر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس دن کی تو یہود ونصاریٰ بھی تعظیم کرتے ہیں؟ (غالباً یہ عرض کرنا مقصود ہوگا کہ روزہ رکھ کر تو ہم نے بھی اس دن کی تعظیم کی، گویا ہم ایک عمل میں ان کی مشابہت اختیار کرنے لگے)، تو اِس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اگر اللہ نے چاہا تو اگلے سال ہم نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھیں گے“۔ (اس طرح سے مشابہت کا شبہ باقی نہیں رہے گا) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اگلا سال آنے سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوگیا۔

اسی وجہ سے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ صرف عاشوراء کا روزہ نہ رکھا جائے، بلکہ اس کے ساتھ 9 یا 11 محرم کا روزہ بھی ملا لیا جائے؛ تاکہ یہود کے ساتھ مشابہت سے بچ سکیں، اس نبوی تعلیم سے یہ بات سمجھ لینا چنداں مشکل نہیں کہ کسی کارِ خیر میں بھی یہود سے مشابہت یا موافقت کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا؛ چہ جائیکہ! دوسری عادات یا معاملات میں ان سے مشابہت کو قبول کرلیا جائے!

ماہِ محرم الحرام میں چوتھا حکم

عاشورا کے دن اپنے اہل وعیال پر کھانے پینے یا کسی بھی اعتبار سے وسعت کرنا، اس کی خاص فضیلت وارد ہے؛ چنانچہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابوسعید الخدری، حضرت ابوہریرہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے ”مَنْ وَسَّعَ عَلٰى عِيَالِهِ فِيْ يَوْمِ عَاشُوْرَآءَ، وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ السَّنَةَ

كُلِّهَا"۔(شعب الإيمان للبيهقي، كتاب الصيام، صوم التاسع والعاشر: ۳/۳۶۵) کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص عاشوراء کے دن اپنے گھر والوں پر خرچ کرنے میں وسعت وفراخی کرے گا، اللہ تعالی سارا سال اس پر (رزق) میں وسعت فرمائے گا۔

اگرچہ اس حدیث کی اسنادی حیثیت پر کلام ہے؛ مگر محدثین کی تصریحات کے مطابق ایسی روایات جو مختلف طرق سے مروی ہوں، ان کی مختلف اَسناد کی وجہ سے ان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے؛ اس لیے اس کو فضائل میں بیان کرنے پر کوئی بڑا اشکال باقی نہیں رہتا۔ امام بیہقی رحمہ اللہ اس مضمون کی روایات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"هذه الأسانيد وإن كانت ضعيفة، فهي إذا ضم بعضها إلى بعض، اخذت قوة"۔(شعب الإيمان للبيهقي: ۳/۳۶۵) یعنی: اگرچہ ان روایات کی سندوں میں ضعف ہے، لیکن ان میں مجموعی طور پر اتنی بات ضرور پائی جاتی ہے کہ ان اسانید کو ملا لیا جائے تو قوّت کی شکل بن جاتی ہے۔

علامہ سخاوی نے اپنی کتاب "المقاصد الحسنۃ" میں اسی بات کو اختیار کیا ہے۔(المقاصد الحسنة، رقم الحديث: ۱۱۹۱، ص: ۴۹۴)

البتہ! یہ بات ضروری ہے کہ یہ عمل اپنی وسعت وحیثیت کے مطابق کرنا چاہیے، لمبی چوڑی تقریبات ودعوتیں کرنا اور اپنی حیثیت سے زیادہ کا اہتمام کرنا، اور اس مقصد کے لیے قرض لینا، یا کسی قسم کے مخصوص کھانے کی تیاری کرنا، اور جو ایسا نہ کرے اُس پر طعن وتشنیع کرنا وغیرہ اُمور درست نہیں ہیں، یہ عمل زیادہ سے زیادہ مستحب درجے کا ہے، جو عمل جس درجے کا ہوا ُسے اسی درجہ میں رکھنا چاہیے، ورنہ بسا اوقات؛ نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق بن جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔

ماہِ محرم الحرام میں ہونے والی کوتاہیاں

ماہ محرم کو سوگ کا مہینہ سمجھنا

ایک چیز جس کا رواج عام طور پر بہت زیادہ ہو چکا ہے کہ یہ مہینہ غم کا مہینہ ہے، اس مہینے میں خوشی

نہیں منانی چاہیے، کیوں؟! اس لیے کہ اس مہینے میں نواسۂ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ اوران کے خاندان کے چھوٹوں اور بڑوں کو ظالمانہ طور پر نہایت بے دردی سے شہید کردیا گیا تھا، اس لیے اُن کے ساتھ اظہارِ ہم دردی کے لیے غم منانا، سوگ کرنا اور ہر خوشی والے کام سے گریز کرنا ضروری ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت بڑا ایسا سانحہ تھا، جو دلوں کو ہی نہیں، روح تک کو زخمی کردینے والا ہے، لیکن ہمارے لیے تو یہ بات ہے کہ ہمیں اس بارے میں شریعت کی طرف سے کیا راہ نمائی ملتی ہے؟؟!!

اس بارے میں سب سے پہلے تو یہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کا ایک قول ملاحظہ کرتے ہیں:

”فَكُلُّ مُسْلِمٍ يَنْبَغِيْ لَهُ أَنْ يُحْزِنَهُ هَذَا الَّذِيْ وَقَعَ مِنْ قَتْلِهِ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَإِنَّهُ مِنْ سَادَاتِ الْمُسْلِمِينَ وَعُلَمَاءِ الصَّحَابَةِ، وَابْنُ بِنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الَّتِيْ هِيَ أَفْضَلُ بَنَاتِهِ، وَقَدْ كَانَ عَابِدًا وَشُجَاعًا وَسَخِيًّا، وَلٰكِنْ لَا يُحْسِنُ مَا يَفْعَلُهُ الشِّيعَةُ مِنْ إِظْهَارِ الْجَزَعِ وَالْحُزْنِ الَّذِيْ لَعَلَّ أَكْثَرَهُ تَصَنُّعٌ وَرِيَاءٌ، وَقَدْ كَانَ أَبُوهُ أَفْضَلَ مِنْهُ، وَهُمْ لَا يَتَّخِذُونَ مَقْتَلَهُ مَأْتَمًا كَيَوْمِ مَقْتَلِ الْحُسَيْنِ، فَإِنَّ أَبَاهُ قُتِلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهُوَ خَارِجٌ إِلَى صَلَاةِ الْفَجْرِ فِي السَّابِعَ عَشَرَ مِنْ رَمَضَانَ سَنَةَ أَرْبَعِينَ، وَكَذٰلِكَ عُثْمَانُ كَانَ أَفْضَلَ مِنْ عَلِيٍّ، عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ، وَقَدْ قُتِلَ وَهُوَ مَحْصُورٌ فِيْ دَارِهِ فِيْ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ مِنْ شَهْرِ ذِي الْحِجَّةِ سَنَةَ سِتٍّ وَثَلَاثِينَ، وَقَدْ ذُبِحَ مِنَ الْوَرِيدِ إِلَى الْوَرِيدِ، وَلَمْ يَتَّخِذِ النَّاسُ يَوْمَ مَقْتَلِهِ مَأْتَمًا، وَكَذٰلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، وَهُوَ أَفْضَلُ مِنْ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ، قُتِلَ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ صَلَاةَ الْفَجْرِ، وَهُوَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ، وَلَمْ يَتَّخِذِ النَّاسُ يَوْمَ قَتْلِهِ مَأْتَمًا، وَكَذٰلِكَ الصِّدِّيقُ كَانَ أَفْضَلَ مِنْهُ، وَلَمْ يَتَّخِذِ النَّاسُ يَوْمَ وَفَاتِهِ مَأْتَمًا، وَرَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَقَدْ قَبَضَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ كَمَا مَاتَ الْأَنْبِيَاءُ قَبْلَهُ، وَلَمْ يَتَّخِذْ أَحَدٌ يَوْمَ مَوْتِهِ مَأْتَمًا، يَفْعَلُونَ فِيهِ مَا يَفْعَلُهُ هَؤُلَاءِ الْجَهَلَةُ مِنَ الرَّافِضَةِ يَوْمَ مَصْرَعِ الْحُسَيْنِ، وَلَا ذَكَرَ أَحَدٌ أَنَّهُ ظَهَرَ يَوْمَ مَوْتِهِمْ وَقَبْلَهُمْ شَيْءٌ مِمَّا ادَّعَاهُ هَؤُلَاءِ يَوْمَ مَقْتَلِ الْحُسَيْنِ مِنَ الْأُمُورِ الْمُتَقَدِّمَةِ، مِثْلَ كُسُوفِ الشَّمْسِ وَالْحُمْرَةِ الَّتِيْ تَطْلُعُ فِي السَّمَاءِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ.“۔(البداية والنهاية، سنة إحدى وستين، فصل: في الإخبار بمقتل الحسين بن علي رضي الله عنه، ۱۱/۵۷۹، دار الهجر للطباعة والنشر والتوزيع)

”ہر مسلمان کے لیے مناسب یہ ہے کہ اس کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ غمگین کر دے، اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے سردار اور اہلِ علم صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے، آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سب سے افضل لختِ جگر کے بیٹے، یعنی: آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نواسے تھے، آپ عبادت کرنے والے، بڑے بہادر اور بہت زیادہ سخی تھے، لیکن آپ کی شہادت پر (شیعہ) لوگ جس انداز سے رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں، وہ کسی صورت میں مناسب نہیں ہے، بلکہ ان کی یہ حرکات بناوٹی اور ریا کاری سے تعلق رکھتی ہیں، آپ کے والد (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) آپ سے زیادہ افضل تھے، اُن کو چالیس ہجری، سترہ رمضان، جمعہ کے دن، جب کہ وہ اپنے گھر سے نمازِ فجر کے لیے تشریف لے جارہے تھے، شہید کر دیا، لیکن لوگ اُن کے قتل کے دن کو اِس طرح ماتم نہیں کرتے جس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ماتم کرتے ہیں، اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے افضل ہیں، جنہیں چھتیس ہجری، ایام تشریق میں اُنہی کے گھر میں شہید کر دیا گیا، لیکن لوگ اُن کے قتل کے دن کو بھی اِس طرح ماتم نہیں کرتے، جس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ماتم کرتے ہیں، اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات (حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) سے افضل ہیں، جن کو مسجد کے محراب میں، نماز فجر کی حالت میں، جب کہ وہ قراءت کر رہے تھے، شہید کر دیا گیا، لیکن شیعہ ان کے قتل کے دن کو اس طرح ماتم نہیں کرتے جس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ماتم کرتے ہیں، اسی طرح حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ان سے افضل تھے، لیکن لوگ اُن کی وفات کے دن اِس طرح ماتم نہیں کرتے، جس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ماتم کرتے ہیں، اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم جو دنیا و آخرت میں بنی آدم کے سردار ہیں، ان کی وفات کے دن بھی یہ لوگ اُس طرح ماتم نہیں کرتے، جس طرح یہ جاہل رافضی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن کرتے ہیں“۔

اس قول کو ملاحظہ کرنے سے روافض کے ڈرامے اور ڈھونگ کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے، اس کے بعد یہ سمجھنا چاہیے کہ ”شہادت“ کا مرتبہ خوشی کا ہے یا غم اور سوگ کا؟! تعلیماتِ نبویہ علی صاحبہا الف

تحیہ سے تو یہ سبق ملتا ہے کہ شہادت کا حصول تو بے انتہا سعادت کی بات ہے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا شوق شہادت

یہی وجہ تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مستقل حصولِ شہادت کی دعا مانگا کرتے تھے، "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ، وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ رَسُولِكَ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"۔(صحیح البخاري، رقم الحديث: ۱۸۹۰) اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا کر اور میری موت اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر میں مقدر کردے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا شوق شہادت

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنہیں بارگاہِ رسالت سے سیف اللہ کا خطاب ملا تھا، وہ ساری زندگی شہادت کے حصول کی تڑپ لیے ہوئے قتال فی سبیل اللہ میں مصروف رہے، لیکن اللہ کی شان انہیں شہادت نہ مل سکی، تو جب ان کی وفات کا وقت آیا تو پھوٹ پھوٹ کے رو پڑے کہ میں آج بستر پر پڑا ہوا اونٹ کے مرنے کی طرح اپنی موت کا منتظر ہوں۔ "لَمَّا حَضَرَتْ خَالِدًا الْوَفَاةُ بَكَى ثُمَّ قَالَ: لَقَدْ حَضَرْتُ كَذَا وَكَذَا زَحْفًا، وَمَا فِي جَسَدِي شِبْرٌ إِلَّا وَفِيهِ ضَرْبَةُ سَيْفٍ، أَوْ طَعْنَةُ بِرُمْحٍ، أَوْ رَمْيَةٌ بِسَهْمٍ، وَهَا أَنَا أَمُوتُ عَلَى فِرَاشِي حَتْفَ أَنْفِي كَمَا يَمُوتُ الْبَعِيرُ، فَلَا نَامَتْ أَعْيُنُ الْجُبَنَاءِ. (البدايه والنهايه، سنة إحدى وعشرين، ذكر من توفى إحدى وعشرين: ۷/ ۱۱۴، مكتبة المعارف، بيروت)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شوق شہادت

شہادت تو ایسی عظیم سعادت اور دولت ہے، جس کی تمنا خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لیے کی اور امت کو بھی اس کی ترغیب دی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَوَدِدْتُ أَنِّي أَغْزُو فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَأُقْتَلُ، ثُمَّ أَغْزُو فَأُقْتَلُ، ثُمَّ أَغْزُو فَأُقْتَلُ"۔ (صحيح مسلم: رقم الحديث: ۱۶۷۶) ترجمہ: "میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں، پھر شہید کر دیا جاؤں، (پھر مجھے زندہ کر دیا جائے) پھر میں

اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور شہید کر دیا جاؤں، (پھر مجھے زندہ کر دیا جائے) پھر میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور پھر شہید کر دیا جاؤں‘‘۔

سال کے ہر مہینے میں شہید یا فوت ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جھلک

الغرض! یہاں صرف یہ دکھلانا مقصود ہے کہ شہادت تو ایسی نعمت ہے کہ جس کے حصول کی شدت سے تمنا کی جاتی تھی، یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر افسوس اور غم منایا جائے، اگر اس عمل کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر غور کر لیا جائے کہ پورے سال کا ایسا کون سا مہینہ یا دن ہے، جس میں کسی نہ کسی صحابیٔ رسول کی شہادت یا وفات نہ ہوئی ہو؟! کتب تاریخ اور سِیر کو دیکھ لیا جائے، ہر دن میں کسی نہ کسی کی شہادت یا وفات مل جائے گی، مثلاً:

صفر: ۳ھ میں مقام رجیع میں 8 / صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کیا گیا۔ صفر: ۴ھ میں بئر معونہ کے واقعے میں کئی اصحاب صفہ کو شہید کیا گیا۔

صفر: ۵۲ھ میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

ربیع الاول: ۱۸ھ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ ربیع الاول: ۲۰ھ میں ام المؤمنین حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

ربیع الثانی: ۲۱ھ میں مقام نہاوند میں ایرانی کفار سے لڑائی کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دو لاکھ ایرانیوں کے مقابلے کے لیے چالیس ہزار مسلمانوں کی فوج بھیجی، جس میں تقریباً تین ہزار مسلمان شہید ہوئے اور کفار کے تقریباً ایک لاکھ افراد واصل جہنم ہوئے اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

ربیع الثانی: ۲۱ھ میں مشہور صحابی رسول حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ ربیع الثانی: ۵۰ھ میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

جمادی الاولی: ۸ھ میں حضرت سراقہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ اور اسی سال، اسی مہینے حضرت عبادہ بن قیس رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ جمادی الاولی: ۸ھ میں ہی غزوہ موتہ ہوا، جس میں کئی جلیل القدر اصحاب رسول رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔

جمادی الاخری: ۴ ھ میں حضرت ابوسلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ جمادی الاخری: ۱۳ ھ میں صحابی رسول حضرت ابو کبشہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ جمادی الاخری: ۲۱ ھ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ جمادی الاخری: ۵۰ ھ میں حضرت عبد الرحمن بن سمرہ کی وفات ہوئی۔

رجب المرجب: ۱۵ ھ میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ رجب المرجب: ۲۰ ھ میں حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ رجب المرجب: ۴۵ ھ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

شعبان: ۹ ھ میں بنتِ رسول حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ شعبان: ۵۰ ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

شعبان: ۹۳ ھ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

رمضان: ۱۰ نبوی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ رمضان: ۲ ھ میں بنت رسول حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ رمضان: ۱۱ ھ میں بنت رسول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ رمضان: ۳۲ ھ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

شوال: ۳ ھ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ شوال: ۳۸ ھ میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

ذوالقعدہ: ۶۲ ھ میں مشہور تابعی حضرت مسلمہ بن مخلد رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ ذوالقعدہ: ۱۰۶ ھ میں حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر بن خطاب رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

ذوالحجہ: ۵ ھ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ ذوالحجہ: ۶ ھ میں حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ ذوالحجہ: ۱۲ ھ میں حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

اس پوری تاریخ کا مقتضا تو یہ ہے کہ ان میں سے ہر دن کو اظہارِ غم اور افسوس بنایا جائے۔ اور شادی وغیرہ ہر خوشی اور اظہار خوشی سے گریز کیا جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ کوئی بھی ذی شعور اس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔

نیز! اس بات کو بھی دیکھا جائے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بھی تو کوئی عظیم اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب شخصیات کو شہادت ملی، لیکن کیا ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان کی شہادت کے دن کو بطور یادگار کے منایا؟؟!! نہیں؛ بالکل نہیں، تو پھر کیا ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ غم محسوس کرنے والے ہیں؟! خدارا! ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور اس قسم کی شیطانی اور گم راہ کن رسومات واعمال سے بچنے کی مکمل کوشش کریں۔

محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم

اوپر ذکر کی گئی تفصیل کے مطابق اس ماہِ مبارک میں سوگ کرنا بالکلیہ بے اصل اور دین کے نام پر دین میں زیادتی ہے، جس کا ترک لازم ہے، لہٰذا جب سوگ جائز نہیں ہے تو پھر شرعاً اس مہینے میں شادی کرنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

بلکہ عجیب بات تو یہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے نکاح (ایک قول کے مطابق) اسی ماہِ مبارک میں ہوا، (ملاحظہ ہو: تاريخ مدينة الدمشق لابن عساكر، باب ذكر بنيه وبناته عليه الصلاة والسلام وأزواجه: ۳/۱۲۸، دار الفكر، تاريخ الرسل والملوك للطبري، ذكر ما كان من الأمور في السنة الثانية، غزوة ذات العشيرة، ۲/۴۱۰، دار المعارف بمصر)

محرم الحرام کے دنوں میں فیس بک اور واٹس ایپ وغیرہ سوشل میڈیا پر ایک میسیج بہت زیادہ گردش کرتا ہے، جس میں تین شخصیات کے نکاح کا محرم الحرام میں ہونا مذکور ہوتا ہے:

[1] ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔

[2] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے۔

[3] اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے۔

تو اس میسیج کا تحقیقی رُخ یہ ہے کہ یہ میسیج درست نہیں ہے، صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح محرم میں ہونا تو درست ہے، بقیہ شخصیات کا نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح سنہ/ ۲ ہجری میں ہوا؛ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مہینہ کون سا

تھا، تو اس میں چار اقوال ہیں، [1] محرم، [2] صفر، [3] رجب، اور [4] رمضان۔ ان میں سے ابن عساکر اور طبری رحمہا اللہ نے محرم الحرام میں نکاح ہونے کی روایت کو ترجیح دی ہے، اور بعض دیگر حضرات نے ماہِ صفر میں نکاح ہونے کو ترجیح دی ہے۔

ان کے علاوہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ۷/ ہجری، ماہ صفر میں ہوا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ۳/ ہجری، ماہِ ربیع الاول میں ہوا۔

خلاصہ کلام یہ کہ اپنے مدعیٰ کے ثبوت کے لیے غیر محقق اُمور کو پیش کرنا درست طرز عمل نہیں ہے، معتبر اور محقق بات ہی پیش کرنا مفید ثابت ہوتا ہے۔

اس مہینے میں شادی نہ ہونے کا مطلب یہ بنتا ہے کہ اس مہینے میں نحوست ہے جب کہ شرعاً یہ بات بالکل بے اصل اور بے بنیاد ہے، بلکہ یہ عقیدہ یا ذہن رکھنا ہی گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی دن یا زمانے میں کسی قسم کی نحوست نہیں رکھی گئی۔ اکابرین مفتیانِ عظام کے فتاوی میں اس کی تصریحات موجود ہیں، ذیل میں فتاوی رحیمیہ سے اسی مسئلے کا جواب نقل کیا جاتا ہے:

ماہ محرم میں سوگ سے متعلق فتاوی رحیمیہ کا ایک اہم فتویٰ

(الجواب): ماہ محرم کو ماتم اور سوگ کا مہینہ قرار دینا جائز نہیں، حدیث میں ہے کہ عورتوں کو ان کے خویش واقارب کی وفات پر تین دن ماتم اور سوگ کرنے کی اجازت ہے اور اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ منانا ضروری ہے، دوسرا کسی کی وفات پر تین دن سے زائد سوگ منانا جائز نہیں، حرام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

”لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر إن تحد على ميت فوق ثلث ليال إلا علٰى زوج أربعة أشهر وعشراً“۔

ترجمہ: ”جو عورت خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھے، اس کے لیے جائز نہیں کہ کسی کی موت پر تین رات سے زیادہ سوگ کرے، مگر شوہر اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ کرے“۔ (صحيح البخاري، باب: تحد المتوفى عنها أربعة أشهر وعشراً إلخ: ۲/ ۸۰۳)، (صحیح

مسلم، باب: وجوب الإحداد في عدة الوفات، إلخ، ۱/۴۹۶)، (مشکوۃ، باب العدۃ، الفصل الأول، ص: ۲۸۸)

ماہ مبارک محرم میں شادی وغیرہ کرنے کو نامبارک اور ناجائز سمجھنا سخت گناہ اور اہل سنت کے عقیدے کے خلاف ہے، اسلام میں جن چیزوں کو حلال اور جائز قرار دیا گیا ہو، اعتقاداً یا عملاً ان کو ناجائز اور حرام سمجھنے میں ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ روافض اور شیعہ سے پوری احتیاط برتیں، ان کی رسومات سے علیحدہ رہیں، ان میں شرکت حرام ہے۔

''مالابدمنہ'' میں ہے: ''مسلم را تشبہ بہ کفار وفساق حرام است۔'' یعنی: مسلمانوں کو کفار وفساق کی مشابہت اختیار کرنی حرام ہے۔(ص: ۱۳۱)

ماہ مبارک میں شادی وغیرہ کے بارے میں دیوبندی اور بریلوی میں اختلاف بھی نہیں ہے۔ مولانا احمد رضاخاں صاحب بریلوی کا فتویٰ پڑھیے:

(سوال) بعض سنی جماعت عشرہ محرم میں نہ تو دن بھر میں روٹی پکاتے ہیں اور نہ جھاڑو دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بعد دفن تعزیہ روٹی پکائی جائے گی۔ ۲: ان دس دن میں کپڑے نہیں اتارتے۔ ۳: ماہِ محرم میں کوئی بیاہ شادی نہیں کرتے، اس کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) تینوں باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے۔ (احکام شریعت، ص: ۹۰، ج: ۱) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاوی رحیمیہ، کتاب البدعۃ والسنۃ، ماہ محرم میں شادی کرے یا نہیں؟ ۲/ ۱۱۵، دارالاشاعت، کراچی)

اسی طرح فتاوی حقانیہ (کتاب البدعۃ والرسوم، محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم؟ ۲/ ۹۶، جامعہ حقانیہ، اکوڑہ خٹک) میں بھی موجود ہے، اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر طرح کے منکرات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور افراط وتفریط سے بچتے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن رکھے، آمین۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

حق مہر کے احکامات اور شرعی حیثیت

مولانا محمد طارق نعمان گڑنگی

دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر بحث کرتا ہے۔ دیگر مذاہب کے برعکس اسلام نے عورت کو بہت سے مالی حقوق عطا کئے ہیں۔ان ہی حقوق میں سے ایک حق مہر ہے۔حق مہر اس مال کا نام ہے جو شوہر کے ذمے بیوی کے منافع نفس کے عوض مقرر کرنے پر یا صرف عقد نکاح سے واجب ہوتا ہے۔حق مہر کے احکامات پر غور کیا جائے تو اسے اعتدال اور حیثیت کے مطابق مقرر کرنا چاہیئے۔

حق مہر کی ادائیگی میں غلو اور تفاخر کا اظہار درست عمل نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ حق مہر نکاح کے موقع پر خوش دلی سے ادا کر دیا جائے اس کی عدم ادائیگی، ٹال مٹول یا مہر کے معاملے میں بیوی پر کوئی ظلم و زیادتی کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے عورت کے لئے عطیہ ہے۔حق مہر دینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ شوہر بیوی پر کوئی احسان کر رہا ہے بلکہ یہ عورت کا حق اور خدائی ہدیہ ہے جو خاوند کے ذمہ نکاح کے وقت واجب ہے۔

حق مہر کے احکامات

مرد گھر کے خارجی اور مالی امور کا ذمہ دار ہوتا ہے جبکہ عورت پر گھر کے داخلی امور کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔اس اصول کے مطابق مرد عورت کے اخراجات کا ذمہ دار ہے اور نکاح کو اسی ذمہ داری کے تحت قبول کرتا ہے اور اس کے قبولیت کی نشانی حق مہر ہے۔اس لئے حق مہر کے احکامات کو بہت اہمیت حاصل ہے اور ان کا جاننا ہر شخص پر لازم ہے۔

حق مہر کی اقسام

مہر کی دو اقسام ہیں:

1۔مہرِ معجّل:

اس سے مراد وہ مہر ہے جس کی ادائیگی نکاح کے فوری بعد واجب ہوتی ہے اور بیوی کو نکاح کے فوری بعد اس کے مطالبہ کا پورا حق حاصل ہوتا ہے۔

2۔مہرِ مئوجل:

اس سے مراد وہ مہر ہے جس کی ادائیگی نکاح کے فوری بعد واجب نہیں ہوتی بلکہ اس کی ادائیگی کے لیے کوئی خاص وقت مقرر کیا جاتا ہے یا اس کی ادائیگی کو مستقبل میں بیوی کے مطالبے پر موقوف رکھا جاتا ہے۔

اگر مہر کی ادائیگی کی کوئی خاص میعاد مقرر کی گئی ہو تو بیوی کو اس مقررہ وقت سے پہلے اس کے مطالبے کا حق نہیں ہوتا لیکن اگر بیوی کے مطالبہ پر موقوف رکھا گیا ہو تو جب بیوی مطالبہ کرے گی اس وقت شوہر کے ذمہ یہ مہر ادا کرنا لازم ہو جائے گا لیکن اگر مہر مئوجل کے لیے نہ تو کوئی خاص وقت مقرر کیا گیا ہو اور نہ ہی بیوی کے مطالبہ پر موقوف کیا گیا ہو تو پھر اس کی ادائیگی طلاق یا موت کی وجہ سے فرقت کے وقت لازم ہوگی۔

مہر کا معجّل یا مئوجل مقرر کرنا زوجین کی رضامندی پر منحصر ہوتا ہے۔بے شک حق مہر کی کل رقم معجّل یا مئوجل مقرر کر دی جائے یا حق مہر کا کچھ حصہ معجّل طے کیا جائے اور کچھ حصہ مئوجل۔لیکن ہر صورت میں مہر کی ادائیگی شوہر پر لازم ہے۔

چونکہ حق مہر عورت کا حق ہے اور شریعت نے عورت کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ نکاح کے وقت مطالبہ کرے کہ اسے پورا مہر معجّل چاہیے تو شوہر کو وہ مہر فوری ادا کرنا پڑے گا لیکن اگر عورت اس پر راضی ہو جائے کہ مہر کا کچھ حصہ معجّل ہو اور کچھ مئوجل تو پھر شوہر کے لیے مہر میں تاخیر کرنے کی گنجائش ہوگی۔

حق مہر کی اہمیت، حکمت اور شرعی حیثیت

حق مہر شرعاً واجب ہے اور اس کا واجب ہونا شریعت سے ثابت ہے۔نکاح مہر سے خالی نہیں ہو سکتا اور دوسرا یہ کہ مہر وہ چیز ہونی چاہیے جو مال کا مصداق ہو۔

یہاں اس بات کا سمجھنا ضروری ہے کہ حق مہر واجب ضرور ہے تاہم نکاح میں نہ رکن ہے اور نہ ہی

شرط۔اس کے بغیر بھی نکاح ہوجاتا ہے۔حق مہر کی اہمیت پر نظر ڈالیں تو واضح ہوتا ہے کہ حق مہر نکاح کی وقعت واہمیت کو واضح کرتا ہے۔زوجین کے درمیان الفت ومحبت کے ماحول کو فروغ دیتا ہے جو ازدواجی زندگی کی کامیابی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔گھریلو معاشرت کو بطریق احسن نمٹانے میں مرد کی اچھی نیت کو واضح کرتا ہے اور اسے پابند کرتا ہے کہ عورت کے تمام حقوق کا ضامن بنے۔نکاح جیسے مقدس رشتے کو دوام بخشنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔مہر کی رسم اسلام سے پہلے بھی شریف خاندانوں میں رائج تھی،اسلام نے اس شائستہ رسم کو برقرار رکھا ہے۔یہ رسم عورت کی عظمت اور اہمیت کو ظاہر کرتی ہے،یہ عورت کی معاشی کفالت کا حصہ بھی ہے اور اس سے نکاح کا رشتہ بھی پائیدار اور مستحکم ہوتا ہے۔

مہر کی مصلحتوں اور حکمتوں کو بیان کرتے ہوئے بدائع الصنائع میں شمس العلماء علامہ علاء الدین کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں: اگر صرف معاہدہ نکاح کی وجہ سے شوہر پر مہر لازم نہ ہو تو وہ معمولی ناچاقی پیدا ہونے پر بھی نکاح ختم کردے گا،کیونکہ جب مہر اس پر لازم نہیں تو نکاح کا ختم کرنا اسے گراں بھی نہیں گزرے گا،یوں نکاح سے مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں ہوں گے۔مزید یہ کہ نکاح کے مقاصد اسی وقت حاصل ہوسکتے ہیں،جب زوجین میں موافقت ہو اور موافقت اسی وقت ہوسکتی ہے کہ جب شوہر کی نظر میں بیوی کی عظمت ہو اور شوہر کی نظر میں اسی وقت بیوی کی عظمت پیدا ہوسکتی ہے جب اس پر کوئی ایسی چیز لازم کردی جائے جو اس کی نظر میں قیمتی اور قابل قدر ہو،کیونکہ جس چیز کا حصول مشکل ہو،اس کی دل میں قدر ہوتی ہے،انسان اسے عزیز رکھتا ہے اور جو چیز بآسانی ہاتھ آجاتی ہے،وہ انسان کی نظر میں حقیر ہوتی ہے،لہٰذا اگر عورت کی اہمیت اور وقعت شوہر کی نظر میں نہ ہو تو دونوں میں موافقت نہ ہوگی،نتیجے میں نکاح کے مقاصد حاصل نہیں ہوں گے۔(بدائع الصنائع 2/275)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں: مہر سے نکاح پائیدار ہوتا ہے،نکاح کا مقصد اس وقت تکمیل پذیر ہوتا ہے،جب میاں بیوی خود کو دائمی رفاقت ومعاونت کا خوگر بنائیں،اور یہ بات عورت کی طرف سے تو اس طرح متحقق ہوتی ہے کہ نکاح کے بعد تمام اختیار اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے،وہ مرد کی پابند ہوجاتی ہے،مگر مرد بااختیار رہتا ہے،وہ طلاق دے سکتا ہے،اور ایسا قانون

بنانا کہ مرد بھی بے بس ہو جائے، جائز نہیں، کیوں کہ اس صورت میں طلاق کی راہ مسدود ہو جائے گی، اور مرد بھی عورت کا ایسا اسیر ہو کر رہ جائے گا، جیسا عورت اسیر تھی، اور یہ بات اس ضابطے کے خلاف ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں اور دونوں کا معاملہ کورٹ کو سپرد کرنا بھی درست نہیں، کیوں کہ قاضی کے یہاں مقدمہ لے جانے میں سخت مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، اور قاضی وہ مصلحتیں نہیں جانتا جو شوہر اپنے بارے میں جانتا ہے۔ پس مرد کو دائمی نکاح کا خوگر بنانے کی راہ یہی ہے کہ اس پر مہر واجب کیا جائے تاکہ جب وہ طلاق دینے کا ارادہ کرے تو مالی نقصان اس کی نگاہوں کے سامنے رہے اور وہ ناگزیر حالات ہی میں طلاق دے، پس مہر نکاح کو پائیدار بنانے کی یہ ایک صورت ہے۔

دوسری مصلحت: مہر سے نکاح کی عظمت ظاہر ہوتی ہے، نکاح کی عظمت واہمیت بغیر مال کے جو کہ عورت کا بدل ہوتا ہے، ظاہر نہیں ہوتی کیوں کہ لوگوں کو جس قدر مال کی حرص ہے، اور کسی چیز کی نہیں، پس مال خرچ کرنے سے نکاح کا مہتم بالشان ہونا ظاہر ہوتا ہے۔(حجۃ اللہ البالغۃ - 2/336.337. حجاز دیوبند رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجۃ اللہ البالغۃ 5/48)

اس کے علاوہ بھی مہر کی حکمتیں ہیں جو علماء نے لکھی ہیں، مگر اصل حکمت یہ ہے کہ مہر شریعت کا حکم ہے اور ہم حکمت کے نہیں بلکہ حکم کے پابند ہیں اور مسلمان کے لیے شریعت کا حکم ہی ہر قسم کی حکمت ہے کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ شریعت کا ہر حکم انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے ہے۔

مہر کی شرعی مقدار

حق مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار کی کوئی حد شریعت میں مقرر نہیں البتہ کم سے کم مقدار کے متعلق حدیث مبارک میں آیا ہے کہ دس درہم سے کم مہر نہیں دیا جائے گا۔

سیدنا عمر فاروقؓ نے مہر میں حد درجہ مبالغہ کے رجحان کو کم کرنے کے لیے برسر منبر اعلان فرمایا۔تم عورتوں کے مہر میں غلو سے کام نہ لو کیونکہ اگر یہ کوئی بہتر چیز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ وسلم سب سے زیادہ مہر مقرر فرماتے۔آپ نے اپنی بیویوں اور بیٹیوں کے لئے بارہ اوقیہ چاندی سے زیادہ مہر مقرر نہیں کیا جو چار سو درہم بنتی ہے۔جو کوئی اس سے زیادہ مقرر کرے گا وہ بیت المال میں جمع ہوگا۔

اس پر ایک قریشی عورت نے تنبیہ کی کہ ”اے عمر! آپ کا فیصلہ درست نہیں ہے۔اللہ تعالی نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔

سیدنا عمر نے فرمایا”عورت حق تک پہنچ گئی اور مرد کو خطا ہوگئی"

آپ دوبارہ منبر پر چڑھے اور اپنا حکم واپس لے لیا لیکن اس کے باوجود مہر میں تخفیف مستحسن اور موجب خیر و برکت ہے کیونکہ وہ نوجوان جو مہر اور شادی کے اخراجات نہ پورے کرنے کے سبب غیر شادی شدہ رہتے ہیں۔کم مہر رکھنے کی صورت میں ان کے لئے نکاح کرنا آسان ہوجاتا ہے۔اس سے انفرادی اور اجتماعی برائیوں کا سدباب ہوتا ہے اور بے راہ روی کی روک تھام ہوتی ہے۔اس کے علاوہ نمود و نمائش کی جگہ سادگی کو فروغ ملتا ہے۔

حق مہر کی مسنون مقدار

مہر کی مقدار کے اعتبار سے چار صورتیں ہیں:

مہر اقل

مہر کی کم از کم مقدار شرعا دس درہم مقرر ہے البتہ مہر کی زیادہ سے زیادہ کوئی مقدار متعین نہیں۔

مہر مثل

لڑکی کے ددھیالی خاندان کی وہ لڑکیاں جو مال، جمال، دین، عمر، عقل، زمانہ، شہر، باکرہ یا ثیبہ وغیرہ ہونے میں اس کے برابر ہوں۔ان کا جتنا مہر تھا اتنا ہی مہر اس لڑکی کا مقرر کیا جائے جس کی شادی ہو۔ اگر نکاح میں مہر متعین نہ ہو تب بھی مہر مثل ہی لازم ہوتا ہے۔

مہر مسمی

فریقین باہمی رضامندی سے مہرِ مثل سے کم یا زیادہ جو مہر مقرر کریں۔ بشرطیکہ وہ دس درہم سے کم نہ ہو۔اسے مہرِ مسمی کہتے ہیں۔

مہر فاطمی

مہر کی وہ مقدار ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

اور دیگر صاحبزادیوں اور اکثر ازواجِ مطہرات کے لیے مقرر فرمائی تھی اسے مہر فاطمی کہا جاتا ہے۔مہر فاطمی کی مقدار پانچ سو درھم چاندی بنتی ہے۔

بہتر ہے کہ شادی سے پہلے ہر نوجوان حق مہر کے احکامات کا مطالعہ کرے۔تا کہ بیوی سے کسی نا انصافی کا مرتکب نہ ہو اور مہر کی ادائیگی میں اعتدال سے کام لیا جائے۔

حق مہر اتنا مقرر کیا جائے جو شوہر با آسانی ادا کر سکے۔البتہ بیوی اپنی رضامندی سے حق مہر میں کمی بھی کر سکتی ہے اور مکمل معاف بھی کر سکتی ہے۔

فریقین کے لئے لازم ہے کہ حق مہر کے معاملہ میں میانہ روی سے کام لیں نہ تو اتنی زیادہ مقدار مقرر کر لی جائے کہ شوہر ساری عمر اس کی ادائیگی سے قاصر رہے۔نہ اتنی کم مقدار رکھی جائے کہ اس کی کوئی وقعت ہی نہ ہو۔

حق مہر کے احکامات واضح کرنے کے بعد یہ سمجھنا ضروری ہے کہ مہر عورت کی ملکیت ہے وہ اسے اپنی رضا اور اختیار سے جس طرح چاہے استعمال میں لائے وہ اسے خرچ کرے،اپنے پاس محفوظ رکھے یا شوہر کو معاف کر دے۔ہر طرح تصرف کی مجاز صرف عورت ہے اور ایک عورت کو اس حق سے محروم رکھنا جائز نہیں۔

مہر کی ادائیگی شرعاً شوہر پر واجب ہے لیکن اگر باپ نے نکاح نامے میں مہر کی ادائیگی کا ضامن بنتے ہوئے دستخط کئے ہوں تو ایسی صورت میں عورت اپنے شوہر کے باپ سے بھی مہر کا مطالبہ کرنے کی حقدار ہے اگر شوہر حق مہر ادا کئے بغیر وفات پا جائے تو اس کی متروکہ جائیداد سے حق مہر کی رقم منہا کی جائیگی اور پھر بقیہ رقم کو تقسیم کیا جائیگا۔

آج کل لوگ شادی اور فضول رسومات پر لاکھوں روپیہ خرچ کر لیتے ہیں لیکن جہاں بات حق مہر کی آ جائے وہاں شرعی مہر کی بات کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ سوا بتیس روپے شرعی حق مہر ہے لیکن شریعت میں اس قسم کے شرعی حق مہر کا کوئی وجود نہیں ہے اس لئے حق مہر کے احکامات،شرعی حیثیت اور مقدار کا جاننا ہر شخص پر لازم ہے تا کہ اس معاملہ کسی قسم کی کسی پر زیادتی نہ ہو سکے۔اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن وسنت کے مطابق حق مہر کے احکامات پہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

خطیبِ باکمال: مولانا ظفر کمال مظاہری

محمد رضوان گوہر ندوی
کے این پبلک اسکول، محلہ قلعہ نانپارہ، ضلع بہرائچ، یوپی

دین کی دعوت حکمت بالغہ اور موعظت حسنہ کے بغیر بے اثر اور غیر نافع ہے، جن لوگوں نے اپنے دعوتی مشن کو دانائی، دور اندیشی اور شعور وآگہی کی قندیل سے منور کیا اور نصیحت وخیر خواہی کے پاکیزہ جذبے سے بروقت رہبری اور رہنمائی کی، انھوں نے اپنے اپنے حلقوں میں انقلاب برپا کیا، معاشرہ میں ان کی دعوت کے دیرپا اثرات مرتب ہوئے اور خلق خدا نے اپنے بھٹکتے قدموں کو راہ راست اور راہ نجات کی طرف موڑ کر ہمیشہ کی سعادت وسرخ روئی حاصل کرلی، اس کے برخلاف جنھوں نے محض خانہ پُری کی، رسمی خطاب، وقتی جوش، غیر ضروری طلاقت لسانی اور فصاحت بیانی کا لوہا منوانے کی بے جا کوشش کی ان کی ہنگامہ خیز تقریریں، گرجتی برستی اور چنگھاڑتی آوازیں صدا بصحرا ثابت ہوئیں، قصبہ نانپارہ کے مشہور عالم دین مولانا ظفر کمال مظاہری اول الذکر طبقہ سے تعلق رکھتے تھے، انھوں نے قصبہ نانپارہ سمیت اطراف واکناف کے قریبی کئی اضلاع میں جب جیسی جہاں ضرورت ہوئی اپنی دینی دعوت سے ہر ممکن فائدہ پہونچانے کی کوشش کی اور اور وہ اپنے مشن میں کامیاب وکامران، بامراد و فائز المرام اور نیک نام وشادکام ہوئے۔

خطیب کو زمانہ کا نبض شناس اور معاشرہ کی تہوں کا غواص ہونا چاہئے، میں نے شعور کی زندگی میں بہت کم ایسے خطیب دیکھے جو مجمع، ماحول، معاشرہ اور انسانی سوسائٹی کے مطالبات اور ضروریات کا مکمل ادارک رکھتے ہوں، اکثر کہیں نہ کہیں نام ونمود کی چاہت، عہدہ ومنصب کی لالچ اور شہرت کی بے جا طلب انھیں مقصد سے دور کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہے، مولانا ظفر کمال مظاہری رحمۃ اللہ علیہ ان لایعنی اور خطرناک چیزوں سے بچ کر نکل آئے، انھوں نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد جب مدرسہ سے باہر کی دنیا میں قدم رکھا تو ہر طرف افراط وتفریط، ظلم وزیادتی، حقوق تلفی، ناانصافی، بے راہ روی، بے

اعتدالی، اخلاقی پستی، دین سے دوری اور بے زاری کا سلگتا ہوا ماحول پایا، وہ معاشی اعتبار سے مضبوط تھے، تدریسی دنیا انھیں اپنے کام اور مشن کے لئے محدود لگی اسی لئے بہت جلد انھوں نے اپنے آپ کو تجارت کی دنیا میں مصروف کردیا لیکن تجارت بھی ایسی اپنائی جس میں وہ آزاد رہ کر جہاں چاہتے جا سکتے تھے، جس سے چاہتے مل سکتے تھے، جب چاہتے سفر کر سکتے تھے، جب چاہتے گھر میں آرام کر سکتے تھے، انھوں نے لوگوں کے درمیان گھس کر ان کی ظاہری و باطنی بیماریوں کا پتہ لگایا، عوامی نفسیات کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا، انفرادی اور اجتماعی ملاقاتوں سے تجربات حاصل کئے، تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ افراد کو کیسے مساعد اور نا مساعد حالات میں کیسے قابو کیا جا سکتا ہے وہ ہنر سیکھا پھر ان کے مطالبات کو سامنے رکھ کر اپنے آپ کو تیار کیا، کمر کس لی کہ ان کی کجی دور کر کے دم لینا ہے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ضرورت کے عین مطابق کہیں بہت نرم رویہ اور بالکل میٹھا لہجہ اختیار کیا، کہیں نرمی اور گرمی دونوں کی ضرورت پڑی تو دونوں سے کام لیا اور کہیں سخت الفاظ اور سخت تعبیرات کا سہارا لینا پڑا تو اس سے بھی دریغ نہیں کیا، کہیں گلے لگا کر سمجھایا، کہیں سامنے بٹھا کر نیکی اور بھلائی پر آمادہ کیا، کہیں پکڑ پکڑ کر جھنجھوڑا اور غضب ناک اسلوب و انداز میں گرفت کی، جہاں جیسی ضرورت ہوئی انھوں نے اپنے تمام نسخے استعمال کئے، ایک چیز جو سب سے اہم تھی وہ یہ ہے کہ انھوں نے ہمدردی اور خیر خواہی کا اصلی جذبہ اپنی خطابت سے دور نہیں جانے دیا، وہ گمنام رہ کر اپنے آپ کو ضائع بھی نہیں کرنا چاہتے تھے اور زبردستی شمع محفل بن کر شہرت کی بلندیاں بھی نہیں چھونا چاہتے تھے، انھوں نے خطابت کے بے لگام گھوڑے کو دعوت کی خوب صورت چادر اوڑھا دی اور پھر اس سے ایسے ایسے کام لئے کہ سیکڑوں کتابیں لکھ کر شاید وہ کام نہ کر پاتے، اللہ نے ان کی زبان میں بڑا اثر دیا تھا، ان کا لہجہ ہر ایک کے لئے مخلصانہ ہوتا تھا۔

مولانا ظفر کمال مظاہری رحمۃ اللہ علیہ نے ساٹھ سال سے بھی کم زندگی پائی لیکن کام بہت کیا، وہ ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے، پوری زندگی انھوں نے دین کی سربلندی کے لئے وقف کردی تھی،

جسم میں جتنی طاقت تھی سب دین کے کاموں میں لگا دینا چاہتے تھے، تکلف و تصنع سے پاک تھے، طبیعت میں سادگی تھی، جہاں جس نے جب چاہا بلا لیا اور مولانا بھی بڑے دوراندیش و معاملہ فہم تھے، تقاضا اور ضرورت دیکھ کر دین کا پیغام پہونچا دینا اپنا فریضہ سمجھتے تھے، وہ سایہ دار درخت کی طرح تھے، ہر آدمی کاموں کی پیہم تھکن کے بعد ان کے پاس پہنچ جاتا تھا اور تازہ دم ہوکر دوبارہ کام پر لگ جاتا تھا۔

ان کی تو یہ مثال ہے جیسے کوئی درخت
غیروں کو سایہ بخش دے خود دھوپ میں جلے

انھوں نے کبھی اپنی بیماری اور مجبوری کو رکاوٹ نہیں بننے دیا، مسلسل اپنے آپ کو حالات کی تیز دھوپ میں جلایا، گردش ایام کی لپیٹ میں اپنے وجود کو پگھلایا اور دوسروں کو فائدہ پہونچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، واقعی بڑے کمال کے انسان تھے، فہم و فراست، دور اندیشی، معاملہ فہمی میں وہ پورے علاقے میں یکتا تھے، بے شمار مشکل اور الجھے مسائل میں وہ آزادی واطمینان کے ساتھ گھستے چلے جاتے تھے اور جب وہاں سے نکل کر آتے تو معاملہ بھی صاف ہوجاتا، بیماری کا علاج ہوجاتا اور خود ان کے جسم ولباس پر ذرہ برابر کوئی داغ نہ لگتا، لوگوں کو ان کی ذات پر بہت اعتماد اور اعتبار تھا، لوگ اپنے آپ پر شک کرسکتے تھے لیکن ان کی شخصیت کو دل سے تسلیم کرتے تھے، وہ اکیلے ایک جماعت کا کام کرتے تھے، اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، پورا ضلع بہرائچ ان کے کام اور نہج پر رشک کرتا تھا، چھوٹے چھوٹے گاؤں میں معمولی دعوت پر بلا تکلف حاضر ہوجاتے اور ایسے دین کا پیغام پہونچاتے جیسے یہ آخری خطاب ہو، دل نکال کر رکھ دیتے تھے، کبھی برائیوں پر جھنجھوڑ دیتے، کبھی ملت کی بے حسی پر اور نوجوانوں کی بے راہ روی کا سراپا غم بن جاتے، بلک اٹھتے، سسک سسک کر ان سے راہ راست اپنانے کی فریاد کرتے، کبھی ہمت نہ ہارنے کی اپیل کرتے، زمانے کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے پر ابھارتے، کبھی اچھے کاموں کو سراہتے اور جنت کی خوش خبری سناتے، مختلف مواقع پر کئے گئے ان کے خطاب کے کچھ نمونے ہم یہاں پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس سے ان کی باریک بینی اور دور اندیشی کا کچھ اندازہ لگایا جاسکے، بات اور بات کرنے کے انداز وسلیقہ میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے:

بات کتنی بے سلیقہ ہو کلیم
بات کرنے کا سلیقہ چاہیئے

۱۸/اگست ۲۰۲۲ کوراجہ کوٹھی نانپارہ میں منعقد ایک دینی جلسہ کوخطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”قرآن اللہ تعالی کی آخری کتاب ہے، امت محمدیہ بھی آخری امت ہے، اب اس کے بعد نہ اللہ تعالی کوئی دوسری کتاب نازل کریں گے نہ کوئی دوسری امت پیدا فرمائیں گے، اسی کتاب کو قیامت تک ہماری رہبری کرنی ہے اور اسی امت کو قیامت تک دین کی حفاظت کرنی ہے، ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس دین کو سمجھیں، اس کو اپنی نسلوں میں منتقل کریں اور پورے عالم میں اسے پھیلانے کی کوشش کریں، اس امت کو دو ذمہ داری دی گئی ہے، اسے اپنے رب کی عبادت بھی کرنی ہے اور دین کی دعوت بھی دینی ہے، بغیر دعوت کے برائیاں ختم نہیں ہوں گی، مسلمانوں کے پاس دین کا ایسا ذخیرہ ہے جو کسی دوسرے مذہب کے پاس نہیں ہے، ہمارے دین کے پاس دلائل اور حوالے ہیں، دوسرے مذاہب کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، وہ تحریف کا شکار ہیں“

اپنی معاشرتی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہوئے کہتے ہیں:

”دین میں رہبانیت نہیں ہے، شادی نہ کرنا، جنگل میں چلے جانا، پہاڑ پر چڑھ کر چھپ کر بیٹھ جانا، اسلام یہ نہیں سکھاتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ تمہیں دنیا میں رہ کر سب کے حقوق ادا کرنے ہیں، جنگل میں چلے جائیں گے تو والدین کی خدمت کون کرے گا؟ ملنگ بن جائیں گے تو رشتہ داروں کے حقوق کون ادا کرے گا؟ یہ کاملین کی علامت نہیں ہے، کامل تو وہ ہے جو ذمہ داریوں سے نہ بھاگے اور ہر ایک کے حق کو کما حقہ ادا کرے، حقوق کے ادا کرنے پر ہماری قسمت میں کامیابی لکھ دی جائے گی اور حقوق ادا نہیں کریں گے تو ناکام ہو جائیں گے، خالق اور مخلوق دونوں کے حقوق ہمیں ادا کرنے ہیں، ہمارے اوپر سب سے پہلا حق اللہ کا ہے پھر رسول کا ہے، اس کے بعد والدین کا ہے، پھر پڑوسیوں کا ہے، رشتہ داروں کا ہے“

سودی کاروبار اور سودی لین دین پر ضرب لگاتے ہوئے کہتے ہیں:

''سود حرام ہے، مالوں میں سب سے ناپاک اور گندا مال سود کا مال ہے، سود سے بچو، آج کمپنیاں دھوکہ دے رہی ہیں، گمراہ کر رہی ہیں کہ فریج لے لیجئے قسط دے دیجئے گا، موٹر سائیکل لے لیجئے قسط دے دیجئے گا، یہ بہکاوا ہے، اپنی خواہشوں کو قابو میں کیجئے، سادگی کی زندگی اختیار کیجئے، جب ہم مکمل دین پر چلیں گے تو کامیابی ہمارے قدموں کو چومے گی''۔

۲۵/ اکتوبر ۲۰۱۹ء کو بنکٹوا میں منعقد ایک جلسہ میں اللہ کی عظمت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہمارے سینوں میں ایمان ہے، ایمان اللہ کا نور ہے، وہی اللہ جس کے حکم سے زمین ٹھہری ہوئی ہے، آسمان ٹھہرا ہوا ہے، وہی خدا اپنی قدرت دکھلانے کے لئے کبھی زلزلے لے آتا ہے تاکہ لوگ غفلت سے جاگ جائیں اور ان کے ذہنوں میں بات راسخ ہو جائے کہ ساری طاقت اللہ کے پاس ہے، سمندر کی گہرائی میں سونامی آجاتی ہے، کس کے حکم سے آتی ہے؟ اللہ ہی دکھلاتے ہیں کہ ہماری بادشاہی زمین پر بھی ہے، زمین کے اوپر بھی ہے، سمندر کی گہرائی میں بھی ہماری ہی حکومت ہے، دنیا بہت ترقی کرگئی، چاند پر پہنچ گئی، بہت سے ملکوں نے بہت ترقی کرلی لیکن اللہ آن واحد میں کچھ فیصلے ایسے کر دیتا ہے کہ دنیا کو باور کرنا پڑتا ہے کہ حکومت صرف اللہ کی ہی ہے، زمین کے چھوٹے سے ٹکڑے پر حکومت مل گئی تو دھوکے میں پڑ گئے، اصل حکومت ہمارے اللہ کی ہے، بڑی بڑی جائداد والے، بڑی بڑی حکومت والے، بہت جاہ و منصب والے اللہ کی طاقت اور حکومت کے سامنے ہیچ ہیں، اللہ ہی نے زندگی اور موت پیدا کی ہے، تم سب پھر اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے، اللہ سے کوئی بچ نہیں سکتا، اس سے کوئی بھاگ نہیں سکتا، اس لئے اللہ کی صفات کا ہر وقت استحضار ہونا چاہئے، وہی اللہ ہے جو صحت دیتا ہے، وہی بیمار کرتا ہے، اللہ ہی سورج کو نکالتا ہے اور اس کو ڈبو دیتا ہے، اللہ ہی موسم کو بدل دیتا ہے، وہی ہمیں چین اور سکون دیتا ہے، وہی ہمیں بے چین اور غمگین کر دیتا ہے، وہی ہماری روزیوں میں برکت دیتا ہے، کبھی ہماری روزی سمیٹ دیتا ہے، یہ سب صرف اس لئے

کرتا ہے کہ انسان جاگ جائے کہ اصل بادشاہت اللہ کی ہی ہے“

۲۴؍ستمبر ۲۰۱۷ء کو قیصر گنج میں منعقد شہداء اسلام کے جلسہ میں دنیا کی بے ثباتی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ:

”دنیا فانی ہے، مٹ جائے گی، یہ صرف امتحان کے لئے پیدا کی گئی ہے، اصل چیز دین پر عمل ہے، ہر جگہ دین کا تذکرہ ہونا چاہئے، اکثر مجلسوں میں دنیا کی بات ہوتی ہے، دنیا کے تذکرے ہوتے ہیں، دنیا پر ہی آغاز ہوتا ہے، دنیا پر ہی گفتگو ختم ہو جاتی ہے، ہم دین کو پوری زندگی میں شامل کریں، ہماری کوئی چیز دین سے جدا نہ ہو“

نماز کی اہمیت پر گفتگو کرتے کہا کہ:

”نماز سب پر فرض ہے، شاہ پر، گدا پر، امیر پر، فقیر پر، مسافر پر، مقیم پر، مرد پر عورت پر، بوڑھے پر جوان پر، صحت مند پر معذور پر، امیر اور وزیر پر، نبی پر، صحابی پر، ولی پر، غبی پر، درباری اور بازاری پر سب پر نماز فرض ہے، دن میں پانچ مرتبہ ہر حالت میں سب کو نماز پڑھنی ہے، نماز کسی پر معاف نہیں ہے، کھڑے ہو کر، بیٹھ کر، لیٹ کر اور زیادہ معذوری اور مجبوری ہے تو اشارے سے نماز پڑھو لیکن نماز ہر حالت میں پڑھنی ہے، اور رب کا کرم ہے کہ اس نے نماز رات کے دو بجے فرض نہیں کی، آدھی رات میں نماز فرض نہیں کی، نماز کا وقت اتنا موزوں اور مناسب رکھا کہ ایک عام انسان اگر نمازوں کی مکمل پابندی کرے تو وہ رب کی رضا کے ساتھ بہت سی جسمانی بیماریوں سے بچ سکتا ہے، حضرت حسینؓ نے تلواروں کے سایہ میں نماز ادا کر کے بتادیا کہ نماز کسی حالت میں معاف نہیں ہے، نماز موت تک پابندی کے ساتھ قائم رکھنی ہے“۔

زمانہ کی گردش جاری ہے، حالات ہر وقت بدلتے رہتے ہیں، ہر جگہ اصلاح کا کوئی ایک ہی نسخہ سود مند ثابت نہیں ہوسکتا، ضرورت اور تقاضہ دیکھ کر جو خطیب اپنے نسخے تبدیل کر کے معاشرہ کو نقصان سے بچالے اور فائدہ پہونچا کر اس کی نجات اور صحت مندی کا ذریعہ بن جائے اصلی خطیب اور حکیم وہی ہے، میری نظر میں مولانا ظفر کمال مظاہری رحمۃ اللہ علیہ میدان خطابت کے ماہر شہ سوار تھے جنھوں

نے اپنا مفاد کہیں بھی کسی حالت میں وابستہ نہیں کیا، ہمیشہ ملت اور انسانیت کا مفاد مقدم رکھا اور ساری زندگی اسی میں اپنی کامیابی اور نجات کا راز ڈھونڈتے رہے، ضرورت تو بہت تھی، تقاضے ابھی باقی تھے لیکن اللہ کی حکمت اور مصلحت کے آگے ساری امیدیں محض ایک بھولا بسرا خواب ہیں، وہ سب کچھ اللہ ہی کے لئے کرتے تھے، اللہ کو یہ ادا بہت پسند تھی، اسی لئے شاید اللہ نے انھیں زمانے کے حوالے نہیں کیا اور صحت وشادمانی کے ساتھ اپنے پاس بلالیا، ۲۵/اپریل ۲۰۲۴ کی رات جب ساری دنیا میٹھی نیند کے مزے لے رہی تھی زندگی بھر کی بے شمار کوششوں کا اجر لینے وہ خوشی خوشی اپنے مالک حقیقی کے دربار میں حاضر ہو گئے، اللہ تعالی ان کی قبر کو نور ونکہت سے بھر دے اور آخرت میں ان کو اتنا شاہ کار اور شان دار انعام دے کہ امت کا ہر فرد ان کی بے پایاں محنت، مجاہدہ، اخلاص اور خلوص پر دل بھر کر رشک کرے۔ آمین۔

اپنی نسلوں کے ایمان کی فکر کیجیے!

از افادات: حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب
جمع وترتیب: عبدالرشید طلحہ نعمانی

آج کی مجلس میں میں وقت کے ایک نہایت اہم اور ضروری مسئلہ کی طرف تمام لوگوں کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں، اور وہ مسئلہ ہے اپنے، اور اپنے اہل وعیال واہل خانہ اور آئندہ نسلوں کے دین کی حفاظت کا۔ اس وقت جو ارتداد کی اور دین کے سلسلے میں تشکیک کی ہوا چل رہی ہے، ایسے ماحول میں بہت ضروری ہوگیا ہے کہ تمام دنیوی ضرورتوں کے مقابلہ میں انسان اس بات کی کوشش کرے اور اس کو اولیت دے کہ ہمارے اہل وعیال، ہمارے اہل خانہ اور خود اپنے دین ایمان کی حفاظت کا سامان کیسے کیا جائے؟ بہت تیزی کے ساتھ ارتداد والحاد پھیل رہا ہے، ہماری بہت سی بہنیں غیر مسلموں کے ساتھ جارہی ہیں، نوجوان بہک رہے ہیں اور سوشل میڈیا وغیرہ کے ذریعہ مسلسل نوجوانوں اور عام مسلمانوں کو دین سے بیزار کرنے کی کوشش چل رہی ہے، اور ہماری غفلت کا یہ حال ہے کہ ہمارے گھروں کے اندر اپنے بچوں کو دین سکھانے کی اور ان کے مزاج کو دینی بنانے کی کوئی فکر نہیں ہے؛ اس لیے ان چند تمہیدی جملوں کے بعد میں آپ سے گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ جتنی فکر اپنے بچوں کے کھانے کی ،کپڑے کی، علاج کی، رہائش کی کرتے ہیں، اس سے زیادہ فکر اس بات کی کریں کہ یہ بچے مسلمان بن کر جئیں اور مسلمان بن کر مریں، اس کے لیے ہمیں کیا کرنا ہوگا؟

سب سے پہلی چیز جو ضروری ہے وہ ہے دینی تعلیم! دینی تعلیم چاہے آپ اپنے بچوں کو براہِ راست مدارس میں داخل کرکے دلائیں یا جو مساجد کے اندر مکاتب قائم ہیں ان میں ان کو داخل کرائیں، اور ان کو قرآن پاک، دینیات، اردو زبان، بنیادی عقیدے اور جو دین کی ضروری باتیں ہیں وہ سکھائیں، اسی کے ساتھ ساتھ اپنے گھر کے ماحول کو دینداری والا ماحول بنانے کی کوشش کریں، ہماری دینداری کا یہ حال ہے کہ اگر بہت متقی پرہیزگار ہیں تو خود نماز کی پابندی کریں گے، مسجد میں چلے جائیں گے،

نماز سے فارغ ہونے کے بعد تلاوت بھی کرلیں گے، کچھ ذکر واذکار بھی کرلیں گے، تسبیحات بھی پڑھ لیں گے، بہت شوق ہے تو اشراق و چاشت بھی ادا کرلیں گے؛ لیکن گھر کے کتنے افراد نماز پڑھتے ہیں؟ عورتیں نماز ادا کرتی ہیں یا نہیں؟ بچے اور بچیاں نماز ادا کرتی ہیں یا نہیں؟ اس کی پوری فکر نہیں رہتی، اس لیے ہم اپنی دینی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اپنے گھر کے افراد کو بھی دین سے وابستہ کرنے کی کوشش کریں، جہاں ہمیں اپنی نماز کی فکر ہے، وہیں اس کی بھی فکر ہونی چاہیے کہ گھر کے اندر کوئی بے نمازی نہ رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہ حکم دیا ہے کہ بچہ سات سال کا ہوجائے تو اس کو نماز کا حکم دو اور دس سال کا ہوجائے اور نماز نہ پڑھے تو اس کو تنبیہ کرو اور مارو؛ مگر آج حال یہ ہے کہ محلے کے اندر شاید ہی کوئی ایسا گھر ہو جہاں سو فیصد نماز پڑھنے والے افراد ہوں، مرد بھی نماز پڑھتے ہوں، عورتیں بھی نماز پڑھتی ہوں، بچے بھی پڑھتے ہوں، بچیاں بھی پڑھتی ہوں، مرد مسجد میں جماعت کا اہتمام کرتے ہوں، اسی طریقہ سے سب لوگ زندگی کو سنت وشریعت کے مطابق گزارتے ہوں، کھانے پینے کی کیا سنت ہے؟ سونے اٹھنے کی کیا سنت ہے؟ بچوں کو سکھایا جائے، ایسا نہیں کہ اُن کو کھانا دے دیا جائے کہ جیسے چاہو کھالو؛ بلکہ اپنے سامنے بٹھا کر اُن کو کھانے کی سنت بتائی جائے کہ بیٹا سنت یہ ہے کہ ہاتھ دھو کر آؤ، دسترخوان بچھا کر بیٹھو، بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو، داہنے ہاتھ سے کھاؤ، اپنے قریب سے کھاؤ، اور کوئی دانہ اگر گر جائے تو اس کو اٹھا کر کھاؤ، کھانے کے بعد برتن کو اچھی طرح چاٹ کے صاف کرو، انگلی کو صاف کرو، اس کے بعد ہاتھ دھولو، اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد کی جو دعا ہے: "الحمد للہ الذی اطعمنی وسقانی وجعلنی من المسلمین" اس دعا کو پڑھو، اسی طرح سونے کے لیے جب جائیں تو ان کو بتایا جائے کہ سونے سے پہلے کیا دعا پڑھنی ہے؟ کیا پڑھ کر سونا چاہیے؟ سو کر اٹھنے کے بعد کیا پڑھنا چاہیے؟ بچوں کے ہاتھ میں موبائل دے دیا جاتا ہے، گیم کھیلنے کے نام پر وہ موبائل لے کر بیٹھ جاتے ہیں، معلوم نہیں کہ موبائل کے اندر کیا الا بلا چیزیں بھری ہوتی ہیں؟ بعض انتہائی گندے قسم کے مخرب اخلاق پروگرام اس کے اندر آتے ہیں، جنہیں بچے دیکھتے ہیں، اس سے ان کی عادت

خراب ہوتی ہے، ان کا مزاج خراب ہوتا ہے، سب سے پہلی بات یہ کہ گھروں کے اندر کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ملٹی میڈیا موبائل موجود ہی نہ ہو، اور اگر ہو تو جو ذمہ دار افراد ہیں ان کے کنٹرول میں ہو، اگر کسی بچہ کو کسی ضرورت سے دیا جائے تو اس کی نگرانی کی جائے، خاص طور سے جو بچیاں ہیں، اسکولوں میں، مدرسوں میں پڑھنے والی بچیاں ان کے ہاتھ میں ہرگز بڑا موبائل نہ دیا جائے، وہ اپنی سہیلیوں کے نام پر کس سے باتیں کرتی ہیں؟ کس سے ان کا تعلق ہو رہا ہے؟ بڑے بڑے دین دار گھرانوں کے اندر اس طرح کے حادثات پیش آرہے ہیں؛ بلکہ بعض عالمہ بچیوں کا بھی غیروں کے ساتھ جانے کا حادثہ پیش آچکا ہے، اس لئے ایسا کوئی راستہ نہیں ہونا چاہیے۔

اسی طرح جو گھر کے اندر کا ماحول ہے ہر چیز پر نگاہ رکھنی چاہیے کہ ہمارا ماحول دینداری کا ماحول ہو، کوئی بھی بچہ غیر تعلیم یافتہ نہ ہو، دین کی تعلیم ہو، کلمہ، نماز اور جو ضروری احکام ہیں ان کو سمجھائے اور سکھائے جائیں، گھر کے اندر ان کو کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت، سونے کی دعا، اٹھنے کی دعا، کھانے کی دعا، کھانے سے فارغ ہونے کی دعا، اسی طرح استنجاء خانہ میں جانے، استنجاء خانہ سے نکلنے کی وغیرہ کی دعائیں ان کو سکھلائی جائیں اور ان کی مشق کرائی جائے، اس وقت یہ ضرورت بہت اہم ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے جو بڑے بالغ نوجوان یا اور زیادہ عمر رسیدہ لوگ اب تک دینی تعلیم سے بالکل نابلد ہیں جنہوں نے بچپن میں قرآن نہیں پڑھا ہے وہ یہ نہ سوچیں کہ ہمارے پڑھنے کا زمانہ چلا گیا ہے، جو فکر مند حضرات مکاتب قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اسی طرح مشورہ کر کے مسجد کے اندر، کسی گھر کے اندر تعلیمِ بالغان کا انتظام کریں۔ جن لوگوں نے بچپن میں قرآن پڑھا ہے اور اس کی تصحیح نہیں کی ہے وہ بیٹھ کر قرآن پاک کی تصحیح کریں، اور ہر ایک کو آمادہ کیا جائے کہ گھر کے اندر قرآن پاک کی تلاوت کا ماحول بنایا جائے، ان شاء اللہ اس سے رحمت کے فرشتے آئیں گے، شیطان کو دخل اندازی کا موقعہ نہیں ملے گا، ہم اپنے معمولات کی پابندی تو کریں ہی، اس پر ہمیشہ گفتگو ہوتی رہتی ہے کہ نماز کی پابندی کریں، قرآن کی تلاوت کریں، تسبیحات کی پابندی کریں، اس کی فکر تو ہو جاتی ہے؛ مگر اس وقت اپنی ذمہ داری ہے، اور میں اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ مکاتب کے قیام کی سب

سے زیادہ ضرورت ہے، ہر مسجد کے اندر مکتب ہونا چاہیے،کوئی مسجد خالی نہیں رہنی چاہیے، اورکوئی بچہ یا بچی غیر تعلیم یافتہ نہیں رہنی چاہیے، اجتماعی طور سے اس کے لئے مشورے کریں اور اللہ تعالیٰ نے جس کو جتنی صلاحیت دی ہے اس کے اعتبار سے محنت کریں۔

آج اتنی گفتگو پر اکتفا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہمیں شعور عطا فرمائے،فکر عطا فرمائے،عمل کرنے کی توفیق بخشے۔آمین یارب العالمین۔

انسانی نفسیات اور خیالات کی حقیقت!

مفتی مبین الرحمٰن صاحب مدظلہم
محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد، کراچی

انسانی نفسیات کا معاملہ بہت دلچسپ ہے، انسان کے خیالات بڑے عجیب ہیں، انھیں جو چاہو رنگ دے دو، جدھر چاہو موڑ دو، جتنا چاہو دراز کر دو اور جب چاہو جھٹک دو! سوچ کو مثبت رکھو تو مثبت رہے گی، منفی رکھو تو منفی رہے گی، گویا کہ جو چاہو اسے رنگ دے دو! سوچ کو امید کے دیئے سے روشن کر دو تو یہ انسان کو چمکا دیتی ہے، اور اسے نا امیدی کے اندھیرے میں چھوڑ دو تو انسان کو بھٹکا دیتی ہے! انسانی سوچ کا دھارا جس سمت بہتا ہے انسان بھی اسی کی رو میں بہتا چلا جاتا ہے! انسان اچھا سوچے تو اپنے بچے کے رونے کی آواز میں بھی خوشی اور اطمینان تلاش کر لیتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو وہ اسے غصے اور جھنجھلاہٹ کا ذریعہ بنا دیتا ہے! اسی سوچ کا اثر ہے کہ بہت سے لوگ بڑے سے بڑے نقصان میں بھی مطمئن رہتے ہیں لیکن بہت سے لوگ بہت کچھ پانے کے باوجود پریشان رہتے ہیں! کوئی یہ سوچ کر غمگین ہے کہ آنے والا وقت نجانے کیسا ہوگا؟ اور کوئی یہ سوچ کر مطمئن ہے کہ اب کونسا اپنے ذاتی کمال سے جی رہے ہیں؟ جو اللہ اب مددگار ہے وہی مستقبل میں بھی مددگار ہوگا! کوئی انتقام لینے میں اپنے غصے کی ٹھنڈک تلاش کر لیتا ہے تو کوئی معاف کر دینے میں سکون محسوس کرتا ہے! لختِ جگر فوت ہو جائے تو انسان سوچتا ہے کہ میرا سب کچھ لٹ گیا، اب جیوں تو کیسے جیوں؟ لیکن کچھ ہی وقت بعد وہ ایک نئی امید کے ساتھ زندگی جیتا نظر آتا ہے! انسان چاہے تو بہت کچھ کو کم محسوس کر کے اپنی زندگی اجیرن کر دے یا چاہے تو کم پر قناعت کر کے مطمئن ہو جائے! عشق ومحبت کا اظہار کرنے والے، ساتھ جینے مرنے کے عہد و پیمان کرنے والے اور ایک دوسرے پر جان نچھاور کرنے کی باتیں کرنے والے جب شادی کے بندھن میں بندھ جاتے ہیں تو چند ہی سالوں بعد یہ سب کچھ بھلا دیتے ہیں اور ان کے مابین نفرت کی خلیج وسیع تر ہوتی چلی جاتی ہے، پھر یہ ایک دوسرے پر اپنی جان قربان کرنے والے ایک

دوسرے کی بات تک برداشت نہیں کرتے اور یوں جدائی اختیار کر لیتے ہیں! اولاد کو نصیحت کرنے والے والدین بُرے اور بدخواہ لگتے ہیں، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اولاد سمجھ جاتی ہے کہ واقعی والدین کی نصیحتیں درست تھیں! والدین کو جائز حق کا مطالبہ کرنے والی اولاد غلط لگتی ہے لیکن پھر ایک وقت ایسا آتا ہے جب والدین اپنے کو غلط قرار دے دیتے ہیں! نجانے کتنے ہی جھگڑے، تنازعات اور اختلافات ایسے ہوتے ہیں جن میں ہم مرنے، مارنے، قطع تعلقی اور شدید نفرتوں کے فیصلے کر لیتے ہیں، پھر جب وقت گزر جاتا ہے تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ وہ باتیں معمولی اور غیر ضروری تھیں، وہ فیصلے احمقانہ تھے، بیکار میں ان میں وقت اور صلاحتیں ضائع کیں! آج کا اچھا کل غلط دکھائی دیتا ہے اور آج کا غلط کل اچھا دکھائی دیتا ہے! محبتیں نفرتوں میں بدل جاتی ہیں اور نفرتیں محبتوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں! وقت گزر جانے کے بعد بدگمانیوں کی بھی حقیقت کھل جاتی ہیں کہ یہ سب بے بنیاد باتیں تھیں! یہ ہے سوچوں اور خیالات کے سو رنگ اور رنگ بھی ایسے جو آپ خود بھرتے ہیں!

یہ سب کیا ہے؟؟ یہ کیسی نفسیات ہیں، یہ کیسے خیالات ہیں، یہ کیسی سوچیں ہیں جو یکساں نہیں رہتیں، جو بدل جاتی ہیں، جن کو قرار نہیں، جن میں جزم نہیں، جو حرفِ آخر نہیں! تو پھر کیسی مایوسی؟ کیسے جھگڑے؟ کیسی خودکشی؟ کیسی بیزاری؟ کیسی نفرت؟ کیسا قطع تعلق؟ کیسی انا؟

اس سے معلوم ہوا کہ:

- مایوسی، ناامیدی اور بیزاری محض سوچ کا ایک رخ ہوتی ہے جو کہ یقینی نہیں، بلکہ اس کی دوسری طرف امید کا دیا بھی روشن رہتا ہے!
- مایوسی، ناامیدی اور بیزاری ایک اٹل حقیقت نہیں جس کی بنیاد پر کوئی غلط قدم اٹھایا جائے، بلکہ یہ ایک وقتی کیفیت ہے، جسے طول دینے اور برقرار رکھنے کی بجائے اس سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے!
- محض اپنی ضد اور انا کی وجہ سے یا اپنے آپ کو عقلِ کُل سمجھتے ہوئے دوسروں کی نصیحتوں کو نظر انداز کرنا درست رویہ نہیں، بلکہ اپنے ہر معاملے میں بہر صورت یہ امکان رہنے دیجیے کہ آپ کی ذاتی رائے غلط ہو سکتی ہے، اس لیے ہمدردی اور خیر خواہی رکھنے والوں کی نصیحت توجہ سے سنیے اور اس پر غور

کیجیے!

● وقتی جذبات سے مغلوب ہوکر بلا سوچے سمجھے کوئی فیصلہ کرنے سے اجتناب کیجیے کہ یہ کسی طور دانشمندی کا تقاضا نہیں!

● جو باتیں غیر ضروری، غیر اہم اور فضول ہیں انھیں سینے سے لگانے، دل میں پالنے اور ان کی بنیاد پر کوئی غلط رائے قائم کرنے یا غلط فیصلہ کرنے سے بالکلیہ بچنا چاہیے۔

● مایوسی، بیزاری، غصہ اور وقتی جذبات کی مثال تو اُس ندی کی سی ہے جو چڑھ جاتی ہے اور پھر اتر جاتی ہے! یہ تو عارضی اُبال ہے جس میں پائیداری اور دوام نہیں ہوتا! اس لیے اس وقت صبر و تحمل سے کام لینے اور دانشمندی کے فیصلے کرنے کی ضرورت ہوا کرتی ہے!

سنوسنو!! ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

مفتی ناصر الدین مظاہری

نہ شجرہ ہے، نہ حجرہ ہے، نہ نسب ہے، نہ نصب ہے، نہ آباءواجداد کے سچے جھوٹے قصے ہیں، نہ رفع، نصب، جر کی اٹھا پٹخ ہے، نہ خاندانی وجاہتیں ہیں، نہ نسلی شرافتیں ہیں، مجھے تو اپنے دادا کے والد کا بھی علم نہیں اور نہ ہی نانا کے والد کا پتہ۔ گمنامی میں پیدا ہوئے، نیک نامی کے ساتھ چار دانے کھیت سے کھائے اور آرام سے اپنی قبر میں جا سوئے۔ یہی اس حیات مستعار کی حقیقت ہے، یہی ہر ذی روح کی روٹین ہے، اربوں کما سکتے ہیں کھا نہیں سکتے، کیونکہ کھانا اتنا ہی ہے جتنا مقدر ہے، وہ جینا بھی کیا جینا جس میں حسد کے شعلے ہوں، حقد کے شرارے ہوں، عداوت کی لہریں ہوں، خباثت کی جولانیاں ہوں، شیطنت کا مزاج ہو، گناہوں کا سماج ہو، ناانصافی کا راج ہو، زبردستی کا باج ہو، سر پر جھوٹا تاج ہو، پیٹ میں حرام کی غذا ہو، جسم پر سفید عبا وقبا ہو، چہرے پر بناوٹی مسکراہٹ ہو اور دل کینہ سے لبریز ہو، خلوت میں نفس کی سرکار ہو اور جلوت میں ہوس کا دربار ہو۔ منبر پر چیخ اور پکار ہو اور اپنے حرم میں حرام ہی حرام ہو۔ تف ہے ایسی جھوٹی عزت پر، اف ہے ایسی حرکات اور سکنات پر، لعنت ہے ایسی بد دینی اور دناءت پر جہاں پگڑیاں اچھالی جائیں، عمامے کھینچے جائیں، قبائیں اور عبائیں نیلام ہوں، شرافتیں ماتم کناں اور وجاہتیں محو لعن طعن ہوں۔ میں ایسے حسب کو حسب نہیں مانتا۔ میں ایسے نسب کو نسب نہیں مانتا۔

میں نہیں مانتا کاغذ پہ لکھا شجرہ نسب
بات کرنے سے قبیلہ کا پتہ چلتا ہے

نسب تو وہ ہے جو اوپر سے نیچے تک یکساں ہو، تقوی ہو، ورع ہو، خوفِ خدا ہو، شوقِ لقا ہو، دوسروں کی عزت بغیر کسی لالچ کے ہو، اللہ کے لئے دوستی اور اللہ کے لئے دشمنی ہو، جہاں اقرباء پروری نہ ہو،

جہاں برادری واد کا وواد نہ ہو، جہاں دیکھنے پرکھنے اور جانچنے میں صرف دین وصلاحیت معیار ہو، امتیاز من وتو نہ ہو، کفر وکفار کی مشابہتیں اور فسق وفجور کی قساوتیں اور شقاوتیں نہ ہوں۔

میرا کنبہ قبیلہ تو ہے لیکن کوئی برادری نہیں، کیونکہ مجھے پتہ ہے جب تک آنکھیں کھلی ہیں برادری واد ہے، آنکھیں بند تو برادری واد بند۔ وہاں تو بس من ربک و ما دینک ہی کا سوال ہے، سوال بھی طے، جواب بھی طے، ایک ہی لائن ایک ہی ڈگر، پھر کیا پھرنا نگر نگر اور کیا کرنا اگر مگر۔ جب فرمادیا مولیٰ نے سر بسر: ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

حرام مال کی نحوست اور بدانجامی

ناقل: انعام الحسن قاسمی
نائب مدیر: ماہنامہ صدائے اسلام

(۱) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قال: لَا يَكْسِبُ عَبْدٌ مَالَ حَرَامٍ، فَيَتَصَدَّقُ مِنْهُ، فَيُقْبَلُ مِنْهُ، فَيُبَارَكُ لَهٗ فِيْهِ، وَلَا يَتْرُكُهٗ خَلْفَ ظَهْرِهٖ اِلَّا كَانَ زَادَهٗ اِلَى النَّارِ، إِنَّ اللهَ لَا يَمْحُو السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ وَلٰكِنْ يَمْحُو السَّيِّئَ بِالْحَسَنِ، إِنَّ الْخَبِيْثَ لَا يَمْحُو الْخَبِيْثَ۔ (رواہ أحمد و کذا فی شرح السنۃ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ (کسی ناجائز طریقے سے) حرام مال کمائے اور اس میں سے للہ صدقہ کرے تو اس کا صدقہ قبول ہو۔ اور اس میں سے خرچ کرے تو اس میں (من جانب اللہ) برکت ہو اور جو شخص حرام مال (مرنے کے بعد) پیچھے چھوڑ کے جائے گا تو وہ اس کے لئے جہنم کا توشہ ہی ہوگا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بدی کو بدی سے نہیں مٹاتا، بلکہ بدی کو نیکی سے مٹاتا ہے، یہ حقیقت ہے کہ گندگی گندگی کو نہیں دھوسکتی۔ (مسند احمد، شرح السنہ)

تشریح: حدیث کا حاصل اور مدعا یہ ہے کہ حرام مال سے کیا ہوا صدقہ قبول نہیں ہوتا، اور حرام کمائی میں برکت نہیں ہوتی، اور جب کوئی آدمی ناجائز وحرام طریقہ سے کمایا ہوا مال مرنے کے بعد وارثوں کے لئے چھوڑ گیا تو وہ آخرت میں اس کے لئے وبال ہی کا باعث ہوگا، اس کو حرام کمانے کا بھی گناہ ہوگا اور وارثوں کو حرام کِھلانے کا بھی۔ (حالانکہ وارثوں کے لئے حلال مال چھوڑ جانا ایک طرح کا صدقہ ہے اور اس پر یقیناً اجر وثواب ملنے والا ہے) آگے جو فرمایا گیا ہے ”إِنَّ اللّٰہَ لَا یَمْحُوا السَّیِّئَ بِالسَّیِّئِ الخ اس میں مالِ حرام کا صدقہ قبول نہ ہونے اور مرنے کے بعد باعثِ وبال ہونے کا سبب بیان فرمایا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ صدقہ اگر صحیح اور پاک مال سے ہو تو وہ گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کا وسیلہ بن جاتا ہے، لیکن اگر حرام اور ناپاک مال سے صدقہ کیا گیا تو وہ نجس اور ناپاک ہے، وہ گناہوں کی گندگی کو

دھونے کی اور گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کا وسیلہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، جس طرح گندے اور ناپاک پانی سے ناپاک کپڑا پاک صاف نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّباً وَإِنَّ اللهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ، فَقَالَ: يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا، وَقَالَ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ، ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَهُ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے، اور اس نے اس بارے میں جو حکم اپنے پیغمبروں کو دیا ہے وہی اپنے سب مؤمن بندوں کو دیا ہے، پیغمبروں کے لئے اس کا ارشاد ہے کہ اے پیغمبرو! تم کھاؤ پاک اور حلال غذا اور عمل کرو صالح، اور اہل ایمان کو مخاطب کر کے اس نے فرمایا ہے کہ: اے ایمان والو! تم ہمارے رزق میں سے حلال اور طیب کھاؤ (اور حرام سے بچو) اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذکر فرمایا ایک ایسے آدمی کا جو طویل سفر کر کے (کسی مقدس مقام پر) ایسے حال میں جاتا ہے کہ اس کے بال پراگندہ ہیں، اور جسم اور کپڑوں پر گرد وغبار ہے، اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعا کرتا ہے اے میرے رب! اے میرے پروردگار! اور حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام، اور حرام غذا سے اس کی نشونما ہوئی ہے، تو ایسے آدمی کی دعا کیسے قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم)

تشریح: حدیث کا مطلب اور پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مقدس اور پاک ہے، اور وہ اسی صدقہ اور اسی نذر و نیاز کو قبول کرتا ہے جو پاک مال سے ہو۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ حرام سے بچنے اور صرف حلال استعمال کرنے کا حکم وہ امرِ الٰہی ہے جو تمام اہل ایمان کی طرح سب پیغمبروں کو بھی دیا گیا ہے، لہٰذا ہر مؤمن کو چاہئے کہ وہ اس حکم الٰہی کی عظمت و اہمیت کو محسوس کرے اور ہمیشہ اس پر عمل پیرا رہے، اس

کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی بیان فرمایا کہ حرام مال اتنا خبیث اور ایسا منحوس ہے کہ اگر کوئی آدمی سر سے پاؤں تک درویش اور قابل رحم فقیر بن کے کسی مقدس مقام پر جا کے دعا کرے لیکن اس کا کھانا پینا اور لباس حرام سے ہو تو اس کی دعا قبول نہ ہوگی۔

(۳)عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: مَنِ اشْتَرٰی ثَوْبًا بِعَشْرَةِ دَرَاهِمَ، وَفِيهِ دِرْهَمٌ حَرَامٌ، لَمْ يَقْبَلِ اللهُ لَهُ صَلٰوةً مَّا دَامَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَدْخَلَ إِصْبَعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ، قَالَ: صُمَّتَا، إِن لَّمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ سَمِعْتُهُ يَقُولُهُ۔ (رواه أحمد، والبيهقي في شعبه الايمان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ: جس شخص نے دس درہم میں کوئی کپڑا خریدا، اور ان میں ایک درہم بھی حرام مال کا تھا، تو جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا، اس کی کوئی نماز اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہ ہوگی۔ (یہ بیان کرکے) حضرت ابن عمرؓ نے اپنی دو انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں دے لیں، اور بولے" بہرے ہوجائیں میرے یہ دونوں کان اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے نہ سنا ہو"۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

(۴)عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ، وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتِ النَّارُ أَوْلٰى بِهِ. (رواه أحمد، والدارمي، والبيهقي في شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: وہ گوشت اور وہ جسم جنت میں نہ جاسکے گا جس کی نشونما حرام مال سے ہوئی ہو۔ اور ہر ایسا گوشت اور جسم جو حرام مال سے پلا بڑھا ہے دوزخ اس کی زیادہ مستحق ہے۔ (مسند احمد، سنن دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: اللہ کی پناہ! اس حدیث میں بڑی سخت وعید ہے۔ الفاظِ حدیث کا ظاہر مطلب یہی ہے کہ دنیا میں جو شخص حرام کمائی کی غذا سے پلا بڑھا ہوگا، وہ جنت کے داخلہ سے محروم رہے گا، اور دوزخ ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا، اللھم احفظنا۔

شارحینِ حدیث نے قرآن وحدیث کے دوسرے نصوص کی روشنی میں اس کا مطلب یہ بیان فرمایا

ہے کہ ایسا آدمی حرام خوری کی سزا پائے بغیر جنت میں نہ جاسکے گا۔ ہاں اگر وہ مؤمن ہوگا تو حرام کا عذاب بھگتنے کے بعد جنت میں جاسکے گا اور اگر مرنے سے پہلے اس کو صادق توبہ واستغفار نصیب ہوگیا یا کسی مقبول بندہ نے اس کی مغفرت کی دعا کی اور قبول ہوگئی یا خود رحمتِ الٰہی نے مغفرت کا فیصلہ فرمادیا تو عذاب کے بغیر بھی بخشا جاسکتا ہے۔ ربِّ اغْفِرْ وارْحَمْ وأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ۔

(۴) عَنْ أَبِي هُرِيرةَ رضی اللہ عنہ قالَ: قالَ رسولُ اللهِ ﷺ: يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ مِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ۔ (رواه البخاري وزاد رزين عليه فاذا ذالك لا تجاب لهم دعوة)

ترجمہ: حضرت ابوھریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو اِس بات کی پرواہ نہ ہوگی کہ وہ جو لے رہا ہے حلال ہے یا حرام، جائز ہے یا ناجائز۔ (صحیح بخاری)

تشریح: حدیث کا مطلب بالکل ظاہر ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس زمانے کی اس حدیث میں خبر دی ہے بلاشبہ وہ آچکا ہے، آج امت میں ان لوگوں میں بھی جو دیندار سمجھے جاتے ہیں کتنے ہیں جو اپنے پاس آنے والے روپیہ پیسہ یا کھانے پہننے کی چیزوں کے بارے میں یہ سوچنا اور تحقیق کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ ہوسکتا ہے کہ آگے اس سے بھی زیادہ خراب زمانہ آنے والا ہو۔ (مسند رزین کی اسی حدیث کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس وقت ان لوگوں کی دعائیں قبول نہ ہونگی)

حلال وحرام اور جائز اور ناجائز میں تمیز نہ کرنا روحِ ایمانی کی موت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سلسلہ کی تعلیمات و ہدایات نے صحابۂ کرام ؓ کی زندگیوں اور ان کے دلوں پر کیا اثر ڈالا تھا، اس کا اندازہ ان دو واقعات سے کیا جاسکتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا یہ واقعہ مروی ہے کہ ان کے ایک غلام نے کھانے کی کوئی چیز ان کی خدمت میں پیش کی، آپ ؓ نے اس میں سے کچھ کھالیا۔ اس کے بعد اس غلام نے بتایا کہ یہ چیز مجھے اس طرح حاصل ہوئی کہ اسلام کے دور سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں ایک آدمی کو میں نے اپنے

کو کاہن ظاہر کر کے دھوکہ دیا تھا، اور اس کو کچھ بتلایا تھا، جیسے کاہن لوگ بتلا دیا کرتے تھے، تو آج وہ آدمی ملا، اور اس نے مجھے اس کے حساب میں کھانے کی یہ چیز دی۔ حضرت ابوبکر کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے حلق میں انگلی ڈال کر قے کی، اور جو کچھ پیٹ میں تھا سب نکال دیا۔

اسی طرح امام بیہقیؒ نے حضرت عمرؓ بن خطاب کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں دودھ پیش کیا، آپؓ نے اسے قبول فرمالیا اور پی لیا، آپؓ نے اس آدمی سے پوچھا کہ دودھ تم کہاں سے لائے؟ اس نے بتلایا کہ فلاں گھاٹ کے پاس سے میں گزر رہا تھا، وہاں زکوٰۃ کے جانور اونٹنیاں بکریاں وغیرہ تھیں، لوگ ان کا دودھ دوہ رہے تھے، انہوں نے مجھے بھی دیا، میں نے لے لیا، یہ وہی دودھ تھا۔ حضرت عمر کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح حلق میں انگلی ڈال کر آپؓ نے بھی قے کر دی اور اس دودھ کو اس طرح نکال دیا۔ (مشکوٰۃ)

ان دونوں واقعوں میں ان دونوں بزرگوں نے جو کھایا پیا تھا وہ لاعلمی اور بے خبری میں کھایا پیا تھا، اس لئے ہرگز گناہ نہ تھا، لیکن حرام غذا کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ ان حضرات نے سنا تھا اس سے یہ اتنے خوفزدہ تھے کہ اس کو پیٹ سے نکال دینے کے بغیر چین نہ آیا، بیشک حقیقی تقویٰ یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ حرام مال سے تمام مسلمانوں کی حفاظت فرمائے، آمین یارب العالمین۔

(منقول از: معارف الحدیث، حصہ ہفتم، کتاب المعاملات، ص/ ۴۸۷ تا ۴۹۰، تالیف: حضرت مولانا منظور صاحب نعمانیؒ)

بغضِ مولوی

مولانا محمد فہیم الدین قاسمی بجنوری

مولوی دین کا پیکر ہے، اس کی نسبت بدزبانی، دین بیزاری کا آئینہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت اور دین کے تقدس کی ریڈ لائن سے خائف، کم ظرف اور بدباطن جدت پسند طبقے کے نزدیک، "بغضِ مولوی" ایک چور دروازہ ہے، وہ مولوی کو ہدف بنا کر، دین، رسول اور خدا؛ سب سے حساب برابر کرلیتا ہے، جب مولوی اور خودساختہ خبیث کے مابین کوئی ذاتی سابقہ نہیں ہے تو آٹھ پہر قصاص کی کیا توجیہ ہے؟

سوشل میڈیا دور سے قبل اس نوعیت کی چیزیں حاشیے پر تھیں، کوئی مضمون گذر گیا، کوئی کتاب رقص کرگئی، بلبلے اٹھے اور مر گئے، بات آئی گئی ہوگئی؛ لیکن تازہ صورت حال مختلف ہے، سوشل میڈیا نے ان کج طبع مسخروں کو گردِ کدورت نکالنے کے مواقع فراہم کردیے ہیں، دوغلوں نے ناموسِ دین پر شب خون مارنے کے لیے مولوی کا عنوان سامنے کر رکھا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کے لیے مراعات کے خواہاں نہیں تھے؛ ورنہ وہ اس کا سامان کر کے جاتے، آپ کو بتادیا گیا تھا کہ اسلام کی سیاسی کمان بہ تدریج دنیا پرستوں کے ہاتھوں میں چلی جائے گی، ان کو دین بیزاری کا دورہ پڑے گا تو وہ بہانے تراشیں گے، صحابہ آسان ہدف ہوں گے؛ اس لیے آپ نے واضح کردیا کہ ناموسِ صحابہ، ناموسِ محمدؐ ہے، میرے اصحاب کو الگ فریم میں رکھنا تلبیس ہے، صحابہ کی جرح متعدی ہے، وہ تبصرے مجھے ذاتی حیثیت میں پہنچتے ہیں، ان کی محبت اور عداوت؛ دونوں کا سرِ رشتہ میں ہوں:

اللهَ اللهَ في أصحابي، اللهَ اللهَ في أصحابي، لا تَتَّخِذوهم غَرَضًا بَعدي، فمَن أحَبَّهم فبِحُبِّي أحَبَّهم، ومَن أبغَضَهم فبِبُغضي أبغَضَهم، ومَن آذاهم فقد آذاني، ومَن آذاني فقد آذى اللهَ، ومَن آذى اللهَ فيُوشِكُ أن يأخُذَهُ." (ترمذی: 3862)

تمھاری منافقت اب راز نہیں ہے، تنقید اور تبصرے کے مابین بھاری فرق ہے، تنقید، علم و تحقیق کے باب سے ہے، اس کا خیر مقدم اہل علم کی شان ہے؛ لیکن تم تنقید کے نام پر تبصرے کرتے ہو، تبصرہ، برائے تضحیک ہوتا ہے، اس میں ذاتیات و متعلقات کو محور بنایا جاتا ہے، مولوی کے متعلقات میں لباس، وضع، مسجد، اور مدرسہ نمایاں ہیں اور یہ سب شعائرِ اسلام ہیں، یعنی آپ کو مسئلہ اسلام سے ہے اور گالیاں مولوی کو دیتے ہو!!!!

جس طرح صحابہ کی محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقدس کو خراجِ سلام ہے، اسی طرح مولوی کی محبت ان کے لائے ہوئے دین کی حرمت کو دادِ تحسین ہے، یہ دونوں مجرد آئینے ہیں، ان میں عکس ریزی کا عمل جمالِ ابد کی کارفرمائی ہے، یہ آئینے سفیر و ترجمان ہیں، تحسین و آفریں بھی آئینہ دار کی اور تنفر و تحقیر بھی انہیں کی، انعام و اکرام بھی وہی جانیں اور سزا و انتقام بھی انہیں پر موقوف، اس نزاع میں ہمارے عز و شرف کی معراج یہ ہے کہ ہم نے ان کے نام کی گالیاں کھائیں، طعنے جھیلے اور طنز برداشت کیے۔

مولانا عبدالحفیظ رحمانیؒ اور جمعیت علمائے ہند

از: مولانا قیام الدین القاسمی
جنرل سکریٹری جمعیت علما ضلع بستی، یوپی

دارالعلوم دیوبند شیخ الہند اکیڈمی کے سابق ریسرچ ڈائریکٹر مولانا عبدالحفیظ رحمانی رحمہ اللہ ملی، معاشرتی اور علمی حلقوں کے لئے محتاجِ تعارف نہیں، یقیناً آپ کی وفات ایک عہدِ آفریں کا خاتمہ ہے جس کا بدل نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے، خیر......رہروانِ عدم کی روایات کے تناظر میں اس طرح کی عبقریت سے محرومی کوئی تعجب خیز نہیں اس لئے کہ یہ فانی دنیا کا دستور ہے جو آیا وہ گیا:

دنیا نے کس کا راہِ فنا میں دیا ہے ساتھ
تم بھی چلے چلو جہاں تک چلی چلے

ہاں کچھ نقوش وآثار اور ملی خدمات ہوتی ہیں جن کے ذریعہ وہ لقمہ اجل انسان بھی پسِ مرگ زندہ رہتا ہے اور حلقۂ احباب میں اس کا ذکرِ خیر ہوتا رہتا ہے، وہ موضوع بحث اور یادگار بنا رہتا ہے، انہیں میں سے حضرت مولانا رحمانی نوراللہ مرقدہ کی ذات اقدس ہے، جنھوں نے ۱۹۳۹ء میں غیر منقسم ضلع بستی کے مشہور گاؤں لُہرسَن Loharsan (موجودہ سنت کبیر نگر) میں ایک معزز دینی اور صاحب نسبت گھرانہ میں آنکھ کھولی، پھر درویش صفت والد بزرگوار حافظ فتح محمد مرحوم کی تربیت اور رہنمائی میں رفتہ رفتہ وقت کے بڑے بڑے صاحبان علم ومعرفت سے استفادہ کرتے ہوئے ایشیا کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۶۰ء میں سند فراغ حاصل کیا، فراغت کے بعد مدارس عربیہ کی قلیل مدتی تدریسی خدمات کے باوجود آپ کی رفتار زندگی کا بیشتر حصہ مقاصدِ مدارس سے ہم آہنگ اور علمائے ربانین کی تحریکات سے وابستہ رہا، وابستگی کا یہ خمار ایسا رہا کہ مولانا آزاد انٹر کالج قادرآباد سدھارتھ نگر میں بحیثیت اردو لکچرر رہتے، غیر مانوس روشن خیال ٹیچران اور خود مختار انتظامیہ سے متاثر ہوئے بغیر ہمیشہ اپنی فاضلانہ وضع قطع اور اکابرین کے طرز عمل کے ذریعہ مؤثر اور بارعب نظر آئے اور چند دنوں

میں بلا تفریق مذہب وملت علاقہ کا سیاسی، سماجی اور دانشور طبقہ آپ کا گرویدہ ہو گیا اسی طرح آپ ملی معاشرتی اور عالمی سوز وگداز کے ساتھ ساتھ علمی قلمی اور طبیعی طور پر ممتاز ومنفرد شخصیت کے مالک بنے رہے:

وہ کسی کی انجمن ہو وہ کسی کی بادشاہی
بانکپن رہے گا یہی اپنی کج کلاہی

یوں تو ہر آدمی منفرد اکائی کی حیثیت رکھتا ہے اور اپنی الگ شناخت کے حوالے سے اپنی ساری کامیابیوں اور ناکامیوں کے ساتھ لاجواب ہوتا ہے لیکن مولانا رحمانی کی انفرادیت کچھ اور ہی تھی کہ کبھی کبھی اپنے طبعی، تاریخی اور قلمی تفردات (بانی دارالعلوم کے بابت تاریخ نویسی، اقبالیات پر جرح، کچھ تنظیموں تحریکوں پر بے باک ریمارک اور اپنے موقف پر اٹل رہنا وغیرہ) کے باعث معاصر علمائے کرام کی مجلسوں میں نقد وتبصرہ کی میز کی زینت بنے رہتے، جن میں کچھ ناقدین نے اپنی تنقید میں بے جا غلو سے کام لیتے ہوئے حقایق سے منہ موڑلیا، یہاں تک کی مولانا رحمانی کے متعلق کسی بھی ملی ادبی اور تنظیمی خدمات کی نشان دہی کیا کرتے؟ بلکہ منفی سوچ کے ساتھ سینہ سپر نظر آئے جب کہ راقم آثم کے نزدیک اس طرح کی منفی سوچ کا مظاہرہ کرنا کسی بھی بیدار مغز صاحب علم وادب کا شیوہ نہیں، حالانکہ اس طرح کے تفردات اور اجتہادات کو مجتہدانہ خطا اور صواب گردانتے ہوئے چشم پوشی پر محمول کیا جا سکتا ہے پھر بھی ان تفردات کے باوجود آپ علمائے حق کی آواز میں آواز ملا کر جمعیت علما ہند کے خطوط کو پیش نظر رکھ کر بر وقت ملی تقاضوں کے لئے سرگرم نظر آتے رہے:

میرے حق میں دوستوں کا یہی فیصلہ ہے عاجز
کہ گناہ سے ہے بڑھ کر ترا جرم بے گناہی

سچ تو یہ ہے کہ سرگرمی اور خدمتِ ملت کا جذبہ آپ کو ورثہ میں ملا تھا اس لئے کہ ۱۹۲۵ء ہی میں خود آپ کے والد مرحوم نے علمائے ہند کی مقامی شاخ قائم کر لی تھی، اور حضرات علمائے کرام کی آمد ورفت کا سلسلہ اسی وقت سے جاری رہا جیسا کہ مولانا مرحوم کی خودنوشت تحریریں اس کی شاہد ہیں چنانچہ مولانا رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

"۱۹۲۵ء میں والد ماجد رحمہ اللہ نے جمعہ کی شاخ قائم کرلی تھی اوراس کے اغراض و مقاصد کو بروئے کارلانے کے لئے ہر ممکن جد جہد میں مصروف تھےاورمرورِایام کے ساتھ کاموں کا دائرہ وسیع ہوگیا"۔(ماخوذازخادم ملت حیات وخدمات)

مولانا رحمانی کالج کی تدریسی خدمات میں مصروف ہونے کے باوجود جمعیت علمائے ہند کے زیر اہتمام ہونے والے اجلاس،تحریکات اور دیگرامورِملت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے، یہاں تک کہ سن ۱۹۷۹ء میں جمعیت علمائے ہند کی تاریخ ساز انقلاب آفریں تحریک بنام:"ملک وملت بچاؤ تحریک" میں پوری بے باکی اولوالعزمی اورسرگرمی کیساتھ جیل بھروآندولن میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی، اور فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی کی قیادت میں تیسرے جتھہ میں شریک ہوکر تہاڑ جیل کی آہنی سلاخوں میں پابندِ قید ہوئے، اوراس تحریک سے حکومت کے ایوان میں زلزلہ آگیا اورتحریک کامیاب ہوگئی۔اس کے باوجود جمعیت علمائے ہند نے اپنے ہدف کے مطابق ۱۷/ جھتے بھیجے اور ۹ جولائی ۱۹۷۹ء سے 24 جولائی ۱۹۷۹ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

دائرہ کار کی وسعت کی وجہ سے بالآخر ملت کا یہ وفاکیش خادم اپنی قلمی، قیادتی لیاقت کیوجہ سے باضابطہ جمعیت علمائے ہند کی غیر منقسم ضلع بستی اکائی کا ضلع جنرل سکریٹری منتخب ہوا، اپنی تدریسی، تصنیفی اور دیگرامورملت کی مصروفیت کے باوجود ضلع صدر خادم ملت مولانا عبدالحمید صاحب (پ:۱۹۲۹ء ت: ۲۰۰۸ء) کی رفاقت وصدارت میں مقامی سطح سے لے کر صوبہ اورمرکز تک پوری ارتباط باہمی کے ساتھ امور جمعیت کی کامیابی کے لئے پیش پیش رہا۔

آج بھی میرے حافظہ کے اسکرین پر یہ منظر سامنے ہے کہ جب ناچیز مدرسہ عربیہ اشرف العلوم ہوا بازار ضلع بستی یوپی میں عالمیت کورس ابتدائی درجات کا طالب علم تھا مربی محترم مولانا عبدالحلیم مظاہری ثم قاسمی دامت برکاتہم (مولانا 2018 میں مرحوم ہوچکے ہیں) کے زیر اہتمام مدرسہ ہٹوابازار وترقی کے راہ پر گامزن تھا، اس وقت حضرت مولانا رحمانی کبھی کبھار بموقع امتحانات مدرسہ میں تشریف فرما ہوتے تو ان کی گفتگو اور مفکرانہ انداز تکلم سے مجھے اندازہ ہونے لگا کہ یہ کوئی بڑا عالم ہے جو بڑے کام

کی باتیں کررہا ہے اوراساتذہ کرام بگوش دل ساعت فرمارہے ہیں، خاص طور سے سیاسی سماجی جمعیتی، جماعتی دیگر مسائل اور عالم اسلام کی صورت حال پر خوب باتیں کرتے، چونکہ ہمارے مہتمم (مولانا عبد الحلیم) صاحب بھی ان مسائل سے باخبراور خوب دل چسپی رکھتے تھے اس معنی کر دونوں حضرات میں جذبات وخیالات کی ہم آہنگی ایک دوسرے کی رعایت و پاس داری حد درجہ قائم رہی۔

ع خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

اسی زمانے کی بات ہے کہ کچھ شر پسند ایرانیوں نے حرم شریف کے تقدس کو پامال کرنے کی ناپاک کوشش کی جس کیوجہ سے پورا عالم اسلام برافروختہ ہوگیا، جگہ جگہ اس کی مذمت ہونے لگی، ہندوستان میں بھی جمعیت علمائے ہند کے زیر اہتمام تحفظ حرم کانفرنس کے عنوان سے شر پسند ایرانیوں کی مذمت کی گئی اور حرمین شریفین کے تقدس کو عالم اسلام کی شان قرار دی گئی اور پورے ملک میں اس کے لئے تحریک چلائی گئی جن میں اتر پردیش بھی اس تحریک میں پیش پیش رہا، چنانچہ ۲۶ فروری ۱۹۸۸ء کو جمعیت علمائے ضلع بستی یوپی کے زیر اہتمام سرزمینِ سُمرِ یا واں بازار، ضلع سنت کبیر نگر میں بھی "تحفظ حرم کانفرنس" کے عنوان سے ایک عظیم الشان اجلاس عام منعقد کیا گیا، مہمان خصوصی فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ (پ: ۱۹۲۸ ت: ۲۰۰۶) تھے، ضلع صدر مولانا عبد الحمید اور جنرل سکریٹری مولانا عبدالحفیظ رحمانی تھے، کانفرنس کی کامیابی کے لئے مولانا رحمانی نے ضلع صدر کی قیادت اور ذمہ داران جمعیت علمائے ضلع بستی کی معیت میں ضلع کے مختلف مقامات گاؤں اور مدارس کا دورہ کیا اور تحفظ حرم کانفرنس کی اہمیت افادیت اور ضرورت کا مسلم معاشرہ میں احساس پیدا کیا۔

مجھے یاد ہے کہ ہٹوا بازار کے سماجی کارکن حاجی زین اللہ صاحب کو کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کا صدر منتخب کیا گیا تھا اور بحیثیت نمائندہ صدر مولانا عبدالحلیم صاحب مہتمم مدرسہ ہٹوا بازار نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا ضلع جنرل سکریٹری مولانا رحمانی نے اپنے افتتاحی خطاب میں بنائے کعبۃ اللہ، مکہ مکرمہ کی عظمت و برکت اور تحفظ حرم کی معنویت پر قرآن وحدیث کی روشنی میں عام فہم اور معلوماتی بیان فرمایا کہ مجھ جیسے ادنی طالب علم کو بھی مقاصد کانفرنس سمجھنے میں دیر نہیں لگی اس طرح دیگر مندوبین علمائے

کرام کی تقاریر وتجاویز اور" فدائے ملت مرد آہن مولانا مدنی " کی کلیدی خطاب کے ذریعہ اجلاس بحسن وخوبی اختتام پذیر ہوا الحمدللہ کانفرنس کی شہرت اور اس کی پذیرائی پورے پردیس میں ہوئی بلکہ ضلع صدر کی صدارت اور مولانا رحمانی کی سکریٹری شپ میں ذمہ داران کانفرنس کی فعالیت وسرگرمیوں کی وجہ سے جمعیت علمائے ہند ضلع بستی کی شاندار کارکردگی کا شہرہ صوبہ اور مرکز تک سنائی دیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا رحمانی دینی علوم میں رسوخ قلم کی برجستگی وسادگی اور منفرد لب ولہجہ حق گوئی وبے باکی جیسی خوبیوں اور صلاحیتوں کی وجہ سے جمعیتی احباب میں نمایاں نظر آنے لگے بلکہ ملکی سطح پر جمعیت علمائے ہند کے اکابرین سے دید وشنید کے مواقع میسر ہوئے اور ان سے محکم مراسم استوار ہو گئے گویا آپ اکابرین ملت میں شمار ہونے لگے۔

میں یہاں صاف لفظوں میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ مولانا رحمانی کا فقط جمعیت ہی اوڑھنا بچھونا نہیں تھا بلکہ آپ نے اپنے قلمی، ادبی ذوق کی وجہ سے یکسوئی کے ساتھ مصروف بہ عمل ہو کر ملت کو تقریبا دو درجن سے زائد بیش بہا تصنیفی تحائف بھی پیش کیا۔ یعنی" بائبل اور نبی آخر الزماں "،" توریت اور یہود اپنے آئینے میں "، " آثار امام اعظم ابوحنیفہ "، "الامام النانوتوی کے مجاہدانہ کارنامے "، " تحریک قیام مدارس کا تاریخی جائزہ "، " تصوف کی حقیقت اور اس کے مسائل "، " ذکر الٰہی کی شرعی حیثیت "، " غیر مقلدین کا آئینہ "، " غیر مقلدین کی خانہ تلاشی "، " رضا خانیوں کا فرار "، " مرزا غلام احمد قادیانی کے مراق نبوت کے خدو خال "، " سوانح حضرت شاہ عبدالحلیم جونپوری "، " سوانح حضرت مولانا زین الدین صاحب کاندھلہ "، " پسندیدہ مرشد "، " خادم ملت حیات وخدمات "، " نقشہ آیات قرآنی "، " شخصیت اور شاعری "، " عصر حاضر کا فکری بحران "، " اردو زبان کی ترویج "، " طنزیات قرآنی "، " دارالعلوم دیوبند کا بانی کون؟ " اور اس کے علاوہ دیگر مضامین ومرقومات ہیں، جو ملک کے مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔

علاوہ ازیں دیگر خوبیوں کے ناطے علاقائی معاصرین علما اور دانشوروں میں ممتاز اور مرجع بنے رہے، عصری جامعات کے منتظمین، اور مدارس کے مہتممین اور سیاسی سماجی کارکن حضرات مختلف

مسائل کے حوالے سے مشورہ کرنے آتے اور اپنے مقاصد کے لئے سفارشی، توثیقی اور تقریظی تحریریں بھی لینے آتے، تشنگان قلم وادب بغرض اصلاح مضامین آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے اور آپ ان کی کاوشوں کو سراہتے ہوئے زبردست حوصلہ افزائی فرماتے اور نپی تلی اصلاح فرماتے، آپ اپنی علمی اور مشاورتی توانائی کو شیئر کرنے میں کوئی بخل نہیں کرتے جو آج کے مسابقت کی دنیا میں بہت بڑی بات ہے۔

1990ء میں مولانا رحمانی کو جمعیت سے ایسی بیزاری پیدا ہوئی کہ اس سے اعلانیہ مستعفی ہو گئے پھر بھی ہزار نقد و تبصرہ کے باوجود اپنے آپ کو جمعیت سے علاحدہ نہ کر سکے، اور حسب سابق جمعیت علمائے ہند کی ترجمانی اور اکابرین ملت کی تحریکوں کا فخر سے تذکرہ کرتے اور ضلعی جمعیت کی ہر اہم مجلس میں بصد انشراح شرکت فرماتے اور اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہے بقلم مولانا رحمانی کہ: جمعیت جیسے میرے تعاقب میں رہی اور حضرت مولانا عبدالحمید صاحب اپنی مجلسوں میں کہا کرتے تھے کہ: رحمانی صاحب! اپنے آبا و اجداد کی میراث چھوڑ کر کہاں جائیں گے حالانکہ مولانا مرحوم (مولانا عبدالحمید صاحب) نے میرے خلاف اخباری بیان کا جواب بھی شائع کر دیا تھا اس کے باوجود فرماتے تھے کہ ان (رحمانی) صاحب کو جمعیت ہی میں رہ کر سکون ملے گا اسی طرح مولانا رحمانی اپنے اور ضلع صدر مولانا عبدالحمید صاحب کے مابین جمعیتی رفاقت اور استقامت کی بابت کچھ اس طرح رقم طراز ہیں:

"اس علاحدگی کے چند مہینے گزرے ہوں گے کہ مولانا مرحوم (عبدالحمید) کی راقم الحروف (مولانا رحمانی) غریب خانہ پر تشریف آوری ہوئی حسب سابق تحفے تحائف کے ساتھ ورود مسعود ہوا گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ جمعیت ہی کے کارناموں اور موجودہ ضروریات پر گفتگو رہی، مولانا مرحوم اسطرح محو گفتگو تھے گویا میں جمعیت کا کوئی ذمہ دار شخص ہوں میں نے ان کی بات چیت میں بہت جاذبیت اور کشش محسوس کی، نشست برخاست ہوئی تو سمریا واں آنے کی دعوت پیش فرمائی اور حسب معمول اخراجات سفر بھی، چند دنوں کے بعد مولانا مرحوم کے درِ دولت پر حاضری دی تو اس قدر خوشی کا اظہار فرمایا گویا

کوئی متاع گم شدہ مل گئی ہو اس کے بعد حسب سابق جمعیہ کی ہر اہم مجلس میں شریک ہونے کی دعوت دیتے اور میں بصد انشراح مجلس میں شریک ہوتا اور مولانا مرحوم میرے مشوروں کو قبول فرما لیتے اس طرح مولانا کی پیش گوئی پوری ہو گئی کہ رحمانی صاحب اپنے آبا و اجداد کی میراث کہاں چھوڑ کر کہاں جائیں گے؟"۔

مولانا رحمانی آگے لکھتے ہیں کہ:

"میں نے حضرت مولانا فدائے ملت سید اسعد مدنی صدر جمعیت علمائے ہند سے ۱۹۹۵ء میں دہلی کے ایک ملاقات کے موقع پر عرض کیا کہ ناچیز تو مولانا عبدالحمید صاحب کے شانہ بہ شانہ ہے مولانا مدنی نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ لڑتے رہیئے اور کام کرتے رہیئے" (ماخوذ از خادم ملت حیات وخدمات)

بہر حال مولانا رحمانی اپنے جمعیتی موقف پر قائم رہے جمعیۃ علماء ہند کی ترقیاتی پالیسی اور پروگرام کو پوری مستعدی کے ساتھ بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔

میرے حافظہ کی لوح پر آج بھی وہ لکیریں شاہد ہیں کہ ۲۰۰۰ء میں اتر پردیش کی برسر اقتدار بی جے پی حکومت نے عبادت گاہوں اور مذہبی تعلیمی اداروں کے سلسلہ میں ایک بل پاس کیا تھا کہ جس میں یہ حکم تھا کہ بغیر ضلع مجسٹریٹ کی پرمیشن کے کوئی عبادت گاہ یا مذہبی تعلیمی اداروں کی تعمیر وتجدید نہیں کی جاسکتی اس بل کو تاریخ میں مذہبی مقامات ریگولیشن بل ۲۰۰۰ء کے نام سے جانا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس بل کے اصل نشانہ مسلمان ہی رہے جو ان کے مذہبی آزادی پر بلا واسطہ ضرب کاری تھی جمعیت علمائے اتر پردیش نے اس بل کے خلاف پورے پردیش میں مورچہ کھولا اور ضلع جمعیت کو احتجاجی اجلاس کے لئے سرکلر ارسال کیا، جگہ جگہ مذمتی اور احتجاجی اجلاس ہونے لگے، جمعیت علماء ضلع بستی وسنت کبیر نگر نے بھی ریگولیٹری بل کے خلاف ۲۰ فروری ۲۰۰۰ کو مدرسہ تعلیم القرآن سمریاواں بازار کی جامع مسجد کے سامنے وسیع وعریض صحن میں ایک بڑا احتجاجی اجلاس کیا جس میں مندوبین علمائے کرام اور دانشوروں نے حاضرین کو سیاہ بل کے مضر نکات اور حکومتِ وقت کی تعصب آمیز رویوں سے آگاہ کیا، چنانچہ بصدارت مولانا عبدالحمید صاحب اس وقت مولانا عبدالحفیظ رحمانی ہی

پورے پروگرام کی کمانڈنگ کررہے تھے اور نہایت ہی عزم وحوصلہ کیساتھ فلک شگاف احتجاجی نعرہ بلند کرنیوالے شرکائے اجلاس کی ہمت افزائی فرمارہے تھے۔ مجھے اس کا احساس آپ کی قائدانہ رولنگ کے علاوہ اس لئے بھی ہوا کہ راقم نے حالات حاضرہ کے تناظر میں ایک مقالہ پیش کرنے کی خواہش ظاہر کی جس پر کچھ لوگوں نے وقت کی تنگئ داماں کا شکوہ کرتے ہوئے روک لگادی، جب مولانا رحمانی باخبر ہوئے تو بلاتردد مجھے برسر اسٹیج آنے کا حکم دیا اور میں نے مقالہ پیش کرنیکی جسارت کی۔

یقین مانئے کہ واقعی جمعیت مولانا کے تعاقب میں ہمیشہ رہی اور یہ بھی انھیں کا نظریہ تھا کہ جمعیت علماء کا دس نکاتی فارمولہ ملک وملت کی سالمیت کے لیے بہترین نسخہ ہے اور اس فارمولہ کی روشنی میں قوم وملت اتحاد کے زبردست حامی اور محرک رہے اور اس پرزور وکالت بھی کرتے رہے، ابھی کچھ روز پہلے احقر اپنی پرسنل آفس (الماری) میں فائل پیپرس کے حوالہ کالم تلاشی کررہا تھا کہ یکایک نگاہ بتاریخ ۱۸ نومبر ۲۰۱۲ء شدہ انقلاب اخبار کی اس شہہ سرخی پر پڑی جو دراصل اسکول رودھولی بستی میں منعقدہ قومی یکجہتی کانفرنس زیرِ جمعیت علماء ضلع بستی کی پریس رپورٹنگ تھی، مہمان خصوصی عبدالحفیظ رحمانی ہی تھے، کانفرنس کی سرپرستی مولانا ظہیر انوار صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ بستی، اور صدارت مولانا عبد القیوم صاحب قاسمی صدر جمعیت علمائے بستی کی تھی جبکہ راقم نظامت کے فرائض پر مامور تھا، اخبار نے خاص طور پر مولانا جس کلیدی خطبہ کو کوڈ کیا تھا اس میں مولانا کے جذبات کی پوری عکاسی ہورہی ہے اور اخبار نے آپ کے اس نظریہ کو بڑے اچھے انداز میں پیش کیا کہ: قوم کی حیثیت سے ملک کے ہندو مسلمان ایک ہیں اور مذہبی اکائیاں الگ الگ ہیں، اسی طرح مولانا رحمانی نے شرکائے اجلاس سے مخاطب ہوکر کہ ہندو مسلم کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے والی جمعیت علمائے ہند ملک کی پہلی تنظیم ہے۔

مولانا رحمانی نونہالوں کیلئے دینی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ مدارس عربیہ کے نظام کو لیکر فکرمند رہتے، اور ارباب مدارس کو گاہے بگاہے انتظامی امور، طریقہ تدریس، تنخواہِ مدرسین اور معیار تعلیم کی بابت اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہتے۔ چنانچہ ابھی کچھ برسوں پہلے بتاریخ 11 مارچ 2012ء کو جمعیت علمائے ضلع بستی اترپردیش نے یتیم عمر ایجوکیشن اینڈ ویلفیئر سوسائٹی بڑھیا سردہا بستی

کے تعاون واشتراک سے مدرسہ دارالعلوم رشیدیہ پوکھر بھٹواسلٹوا بستی کی سرزمین پر ارباب مدارس کا نفرنس منعقد کرنے کا اہتمام کیا تھا، جس کے کنوینر حاجی عبدالماجد صدر بیگم عمرا یجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی اور انتظامی امور اہتمام کے ناظم مولانا شبیر احمد مظاہری صدر رشیدیہ ریفارم سوسائٹی تھے، جبکہ بیگم عمرا یجوکیشن اینڈ ویلفیر سوسائٹی کے نائب صدر مولانا سیف الرحمان ندوی نے مہمانوں کا پرتپاک استقبال کیا۔ بحمد اللہ کانفرنس میں پرتاپ گڑھ، ٹانڈہ، امبیڈکر نگر، سدھارتھ نگر، سنت بیر نگر اور بستی سمیت دیگر اضلاع کی اہم علمی اور موقر شخصیات نے شرکت کیں۔ بڑے ہی فخر کی بات کی تھی کہ اس وقت کانفرنس کے مہمان اعزازی مولانا عبدالحفیظ کورحمانی نے اپنے توسیعی خطبہ سے کانفرنس کا افتتاح کیا تھا، اور ملک انہوں نے اپنے افتتاحی خطاب میں تاریخی حوالوں سے ذہنی ارتداد کی اٹھنے والی لہروں سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ آج سے نہیں بہت پہلے سے یہودی عزائم اور عیسائی مشنریاں اسلامی تعلیمات وتہذیب کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔ مولانا رحمانی نے شرکائے کانفرنس کو مدارس و مکاتب کے تحفظ کیلئے تعلیمی وانتظامی معیار کو بلند اور مستحکم کرنے کی دعوتِ فکر دی اور کہا کہ: مکاتب کی تعلیم وتربیت سے ہی نونہالوں کا ایمان محفوظ اور مضبوط ہوسکتا ہے۔

مجھے نہیں معلوم کہ مولانا نے اپنی زندگی میں ایسے کتنے اجلاس، کانفرنس اور پروگرام فتح کئے کہ جن کے ذریعہ فرقہ وارانہ یگانگت اور آپسی بھائی چارہ کو فروغ ملا، اور ارباب مدارس و مکاتب کو تعلیمی و انتظامی استحکام کیلئے حوصلہ افزا اور راہنما مشورہ ملا۔ بہر حال! اس طرح کسی بھی عبقری شخصیت کی عملی سرگرمیوں کو سراہنا، خوبیوں کو شمار کرنا اوران کا ذکر خیر کرنا صحیح معنوں میں سچی خراج عقیدت کے ہم معنی اور ایک ذمہ دار مرد مومن کی مومنانہ شان ہے، آخر کار زندگی کے تقریبا اکیاسی (۸۱) سالہ مراحل کی امانت کا حامل یہ بے باک انسان آخری لمحہ تک اپنے جواہر پاروں کو بکھیرتے بکھیرتے ۲ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲ اگست ۲۰۱۶ء بروز شنبہ تقریباً شام ۵ بجے بحالت مرض الوفات تسبیح پڑھتے ہوئے دارفانی سے دار بقا کو سدھار گیا اور نئی نسلوں کو عدم سے آشنا ہونے کا گر بھی سکھا گیا:

جو ہرِ انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں

آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں

دوسرے دن 7/ اگست 2016 کو صبح ساڑھے دس بجے آبائی قبرستان میں تجہیز و تکفین کا عمل انجام پذیر ہوا، نماز جنازہ اور سپرد خاک کرنے کے موقع پر جو رشک آمیز بھیڑ مَیں نے دیکھی وہ علماء، عوام، سیاسی سماجی برادران وطن اور ان کے احباب کی ان سے بے پایاں عقیدت و محبت کی واضح علامت تھی، اس کے علاوہ عوامی سطح پر اتنا زبردست ازدہام تھا کہ مجمع کو کنٹرول کرنے کے لئے ارباب ولایت کو لاوڈ اسپیکر کا بھی انتظام کرنا پڑا۔

پس ماندگان میں بیوہ بیٹیوں کے علاوہ اولاد واحفاد سے ہرا بھرا کنبہ موجود ہے جوان شاء اللہ مولانا مرحوم کے حق میں صدقہ جاریہ ثابت ہوں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی مولانا کو اپنے جوار رحمت میں اعلیٰ مقام اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

تقویٰ کی زندگی فوائد و برکات

مفتی شمعون خانپوری
خادم و ناظم تعلیمات دارالعلوم محمودیہ اون سورت، گجرات

تقویٰ کی تعریف

تقویٰ ’’وقی‘‘ اور ’’وِقایۃ‘‘ سے بنا ہے، جس کا معنی ہے بچنا، حفاظت کرنا، پردہ کرنا اور خوف کرنا وغیرہ۔ ’’وقی‘‘ اور ’’وِقایۃ‘‘ کا معنی ہے کسی چیز کو ایذاء اور ضرر سے محفوظ رکھنا۔ سورۂ دُخان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ۔ ’’اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب دوزخ سے محفوظ رکھا۔ چنانچہ ’’تقویٰ‘‘ کا لغوی معنی ہے: نفس کو اس چیز سے محفوظ رکھنا جس سے اسے ضرر کا خوف ہو۔

اصطلاحِ شریعت میں انسان کا ان کاموں سے بچنا جو اس کے لئے آخرت میں غضب خداوندی کا باعث ہوں، تقویٰ کہلاتا ہے۔ اپنے آپ کو اپنے رب کی ناراضی سے بچانا تقویٰ ہے۔ تقویٰ یعنی اللہ کا خوف تمام بھلائیوں کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے وجود سے لے کر قیامت تک آنے والے تمام انس وجن کے لئے تقویٰ کی وصیت فرمائی ہے۔ تقویٰ ہی کل قیامت کے دن نجات دلانے والی کشتی ہے۔ تقویٰ مؤمنین کے لئے بہترین لباس اور بہترین زادِراہ ہے۔ یہ وہ عظیم نعمت ہے، جس سے دل کی بندشیں کھل جاتی ہیں، جو راستے کو روشن کرتی اور اسی کی بدولت گمراہ بھی ہدایت پا جاتا ہے۔ تقویٰ ایک ایسا قیمتی موتی ہے کہ اس کے ذریعے برائیوں سے بچنا اور نیکیوں کو اختیار کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

تقویٰ کی تشریح

تقویٰ کی تشریح اور توضیح میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حقیقی تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے، اس کی نافرمانی نہ ہو، اس کا ذکر کیا جائے کہ نسیان نہ ہو، اور شکر کیا جائے کہ اس کی ناشکری نہ ہو۔ (حاکم مستدرک ۲/ ۲۹۴)

امام فخرالدین رازیؒ نے تقویٰ کی تعریف ’’الخشیۃ‘‘ سے کی ہے، یعنی وہ خوف الٰہی کا نام ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے تقویٰ کی تشریح اس طرح منقول ہے: تقویٰ اللہ بزرگ وبرتر سے ڈرنے اور قرآن وسنت پر عمل کرنے اور دارِ آخرت کی تیاری کا نام ہے۔ جو اس طرح کرتا ہے اس نے حقیقت میں تقویٰ اختیار کیا ہے۔

امام قشیری نے تقویٰ کی وضاحت اپنے رسالہ میں اس طرح کی ہے: اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے بچنے یعنی یادِ الٰہی میں ہمہ تن مستغرق ہونے کا نام تقویٰ ہے۔ (الرسالہ:۵۶)

جلیل القدر محدث حضرت سفیان ثوریؒ سے منقول ہے: دنیا اور آفات دنیا سے بچنا تقویٰ ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کی نظر میں تقویٰ ہر مشکوک چیز سے صرف نظر کرنے کا نام ہے، اور یہ تعریف بھی آپ کی طرف منسوب ہے کہ بلاشبہ متقی وہ ہے جب وہ گفتگو کرے تو اس کا کلام اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور جب وہ خاموش رہے تو اس کی خاموشی اللہ کے لئے ہو اور جب وہ ذکر کرے تو اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک متقی نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے دوست اور دشمن اس سے مامون ومحفوظ نہ ہوں۔ جدید علماء نے قرآن مجید میں تقویٰ کے استعمال کو پیش نظر رکھتے ہوئے تقویٰ کی تعریف ''احساس ذمہ داری'' سے کی ہے کہ بندہ جب تک اپنے تئیں اللہ تعالیٰ اور مخلوق کی ذمہ داریوں کو محسوس کرکے صحیح انداز میں نہیں نبھائے گا وہ متقی نہیں کہلائے گا۔

تقویٰ خالق اور مخلوق دونوں سے متعلق اپنے حقوق وفرائض کو سمجھنے اور حسن وخوبی کے ساتھ اس کو سرانجام دینے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی کامل مراعات کے ساتھ بندوں کے حسب درجات ان کے حقوق وواجبات کو بہترین سلیقہ سے نبھانے کا نام ہے۔

تقوی کا اصل مرکز دل

تقویٰ کا اصل مرکز دل ہے، البتہ اس کا اظہار مختلف اعمال کے ذریعے ہوتا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: تقویٰ یہاں ہے۔ (صحیح مسلم)

غرض تقویٰ اصل میں اللہ تعالیٰ سے خوف ورجاء کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کے طریقے کے

مطابق ممنوعات سے بچنے اوراوامر پر عمل کرنے کا نام ہے۔

حضرت علیؓ کا ارشاد گرامی ہے: معصیت پر اصرار نہ کرنا اور اپنی عبادت پر ناز و اعتماد نہ کرنا تقویٰ ہے۔ حضرت ابودرداءؓ نے فرمایا: تقویٰ ہر قسم کی بھلائی کا جامع ہے یہ وہ چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کو حکم دیا ہے۔

تقوی کی اہمیت

تقویٰ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوجاتا ہے کہ قرآنِ مجید میں دوسو چھتیس سے زائد آیات ایسی ہیں جن میں مختلف انداز میں تقویٰ ہی کا بیان ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی ہوجاتا ہے کہ دنیا میں جتنے بھی انبیائے کرامؑ تشریف لائے، سب ہی نے اپنی اپنی امتوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام کی متعدد آیات میں مختلف انداز سے تقویٰ یعنی اللہ سے ڈرنے کا حکم اور اس کی اہمیت وتاکید کو ذکر کیا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سیدھی سچی بات کہا کرو۔ (سورۃ الاحزاب 70)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔ (سورۃ التوبہ 119)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اُس نے کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے، اور اللہ سے ڈرو۔ (سورۃ الحشر 18)

تقویٰ کوئی ایسا عمل نہیں جو صرف اِس امت کے لئے خاص ہو، بلکہ دنیا کے وجود سے لے کر آج تک اور قیامت تک آنے والے ہر شخص سے مطلوب ہے کہ وہ اللہ سے ڈر کر زندگی کے ایام گزارے۔ فرمان الٰہی ہے: ہم نے تم سے پہلے اہل کتاب کو بھی اور تمہیں بھی یہی تاکید کی ہے کہ اللہ سے ڈرو۔

(سورۃ النساء 131)

تقوی انسانی زندگی کا شرف

تقویٰ و پرہیز گاری انسانی زندگی کا شرف ہے اور تقویٰ انسانی زندگی وہ صفت ہے جو تمام انبیاء کی تعلیم کا نچوڑ ہے اور یہ وہ قیمتی سرمایہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور قرب آسان

ہوجاتا ہے۔تمام عبادات کا بنیادی مقصد بھی انسان کے دل میں اللہ کا خوف اور تقویٰ پیدا کرنا ہے۔ تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جس کے حاصل ہوجانے کے بعد دل کو گناہوں سے جھجک معلوم ہونے لگتی ہے اور نیک کاموں کی طرف اسے بے تابانہ تڑپ ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کو تقویٰ پسند ہے۔ ذات پات یا قومیت وغیرہ کی اس کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے قابل عزت واحترام وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔تقویٰ دین داری اور راہ ہدایت پر چلنے سے پیدا ہوتا ہے۔ بزرگانِ دین کا اولین وصف تقویٰ رہا ہے۔قرآن پاک متقی لوگوں کی ہدایت کے لیے ہے۔"تقویٰ" اصل میں وہ صفت عالیہ ہے جو تعمیر سیرت و کردار میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔عبادات ہوں یا اعمال و معاملات۔ اسلام کی ہر تعلیم کا مقصد و فلسفہ، روحِ تقویٰ کے مرہون ہے۔خوفِ الٰہی کی بنیاد پر انسان کا اپنے دامن کا کبیرہ گناہوں کی آلودگی سے پاک صاف رکھنے کا نام تقویٰ ہے اور اللہ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کا ہر کام گناہ کہلاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے (اپنے زمانے کے مسلمانوں کو مخاطب کرکے) فرمایا کہ تم ایسے کام کرتے ہو جو تمہاری نظر میں بال سے بھی زیادہ باریک ہیں، لیکن ہم ان کاموں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں موبقات یعنی ہلاک کرنے والے کاموں میں شمار کرتے تھے۔(صحیح بخاری)

تقویٰ قلبی سکون کا ذریعہ

تقویٰ کے فوائد صرف آخرت میں ظاہر نہیں ہوں گے بلکہ اس کے اثرات اور ثمرات اس دنیا میں نظر آتے ہیں اور تقویٰ کی برکت سے مومن دنیا ہی میں جنت جیسی زندگی کو پالیتا ہے۔ جو رنج وغم سے دور اور قلبی سکون واطمینان کی حامل ہوتی ہے۔

تقویٰ کا فائدہ علم وعمل میں

علمی وعملی ترقی میں حلال و پاکیزہ کمائی کا بہت بڑا دخل ہے کہ حلال کھانے پر قلب میں ایک نورانیت محسوس ہوتی ہے جس سے نیک اعمال کی توفیق میسر آتی ہے اور حرام ومشتبہ کھانے پر قلب میں ایک ظلمت سی چھا جاتی ہے جس سے نیکی کی توفیق بھی سلب ہوجاتی ہے اور ترقی کا دروازہ بھی بند ہوجاتا

ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اکل حلال کے بعد عمل صالح کی ترتیب سے اسی طرف اشارہ ہے کہ ترقی اور صالح زندگی کی بنیاد میں اکل حلال کو بڑا دخل ہے۔

تقویٰ اور معیت الٰہی

تقویٰ کا سب سے اہم اور مبارک فائدہ یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی خصوصی معیت نصیب ہوتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: یقیناً اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کئے اور وہ جو احسان کرنے والے ہیں۔ (سورۃ النمل: ۱۲۸)

جب کسی بندہ کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی معیت اور قربت خاص سرفراز ہوتی ہے تو وہ کس قدر مشکل اور کٹھن صورتحال میں کیوں نہ ہو اس کا قلب مطمئن اور پُرسکون ہوتا ہے۔ جب بندہ تقویٰ کا نور اپنے دل میں پیدا کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس نور کی وجہ سے بندہ کے ہر مشکل سے مشکل کام کو آسان کر دیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اور جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے۔ (سورۃ الطلاق/ ٤)

تقویٰ اور رزق

جب بندۂ مومن ذرائع آمدنی اور کسب معاش کے لئے تقویٰ کو پیش نظر رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر آسمانوں اور زمین کی برکتوں کو کھول دیتا ہے اور غیب سے رزق کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ جہاں سے اس کو وہم و گمان نہ تھا وہاں سے رزق فراہم ہوتا ہے۔ (دیکھئے: سورۃ الطلاق/ ۳۰۲، سورۃ الاعراف/ ۹۶)

تقویٰ ایسی قوت ہے جس سے انسان اپنے دشمن کے مکر و فریب اور اس کی دسیسہ کاریوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس کو دشمن کی تدابیر کو بے اثر کرنے کے لئے زیادہ جدوجہد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ غیبی مدد اس کے ساتھ ہوتی ہے اور نہ صرف وہ اپنے دشمن کے مکر سے بچ جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سے اس پر غالب ہو جاتا ہے۔ ارشاد ہے: اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو تم کو ان کا مکر کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ (سورۃ آل عمران/ ۱۲۰)

تقوی اللہ کی جانب سے ایک غیبی قوت

تقویٰ کی وجہ سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک غیبی قوت عطا ہوتی ہے جس کے نور سے وہ حق و باطل میں فرق کرنے لگتا ہے۔ اچھائی اور بُرائی میں تمیز کی صلاحیت حاصل کرلیتا ہے اور نازک و پیچیدہ صورتحال میں اصابت رائے کو پالیتا ہے۔ ارشاد ہے: اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کروگے تو وہ تمہارے لئے (حق و باطل) میں فرق کرنے والی (قوت و حجت) عطا کرے گا اور تمہارے (دامن سے) سے تمہارے گناہوں کو مٹادے گا اور تمہاری مغفرت فرمادے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (سورۃ الانفال/ ۲۹)

تقوی کا سب سے بڑا فائدہ

سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کا دوست بن جاتا ہے کیوں کہ جو اپنے دل کو دنیا، نفس اور شیطان سے بچا کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے حفاظت کرتا ہے اور اطاعت وفرمانبرداری اور یاد الٰہی سے روشن ومنور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس خوش نصیب کو دنیا وآخرت میں اپنا دوست بنالیتا ہے اور وہ اس کا حامی بن جاتا ہے۔ ارشاد ہے: اس کے دوست صرف اور صرف متقین ہیں۔ (سورۃ الانفال/ ۳۴)

اسلاف کی زندگیوں میں تقوی تھا

ہمارے اسلاف کی زندگیاں تقویٰ وطہارت سے مزین تھیں، احکام شرع میں اپنی ذات کے بارے میں معمولی معمولی چیزوں میں بہت زیادہ احتیاط برتتے تھے۔ حضرت امام بخاریؒ فرماتے تھے کہ "جس وقت سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے، میں نے کسی کی غیبت نہیں کی، قیامت کے دن غیبت کے بارے میں کسی کا ہاتھ میرے دامن میں نہیں ہوگا۔ احمد بن فقیہؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوالحسن اشعریؒ کی بیس سال خدمت کی، میں نے ان سے زیادہ محتاط، باحیا، دنیوی معاملات میں شرمیلا اور امور آخرت میں مستعد نہیں دیکھا۔ (تاریخ دعوت وعزیمت)

امام ترمذی کا تقوی

امام ترمذیؒ تقویٰ، زہد اور خوف خدا اس درجہ رکھتے تھے کہ اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا،

خوف الٰہی سے بکثرت روتے روتے آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تھی۔امام نسائیؒ کے حالات میں ہے کہ زہدوتقویٰ میں یکتائے روزگار تھے صوم داودی پر ہمیشہ عمل پیرا رہتے تھے۔

تقوی کی تمام تعریفات کا خلاصہ

علامہ سید شریف جرجانیؒ اپنی مشہور ومعروف کتاب ''التعریفات''میں لکھتے ہیں کہ آدابِ شریعت کی حفاظت کرنا اور ہر وہ کام جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے دور کردے،اس سے خود کو باز رکھنا تقویٰ ہے۔''

تمام تعریفیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور تقویٰ کے مختلف درجات کو کسی نہ کسی جہت سے حاوی ہیں۔تمام تعریفات کو مدِ نظر رکھ کر تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہوا کہ ماموارت کو بجالانا اور منہیات سے بچنا یعنی نیک کام کرنا اور گناہ اور بدی سے بچنا،اپنی زندگی کے شب وروز حسبِ استطاعت اتباعِ شریعت میں گزارنا تقویٰ ہے۔

خلاصہ

اللہ سے ڈرنے اور اس سے تقویٰ اختیار کرنے کا حق تو یہ ہے کہ مومن تادمِ مرگ سجدہ سے سر ہی نہ اُٹھائے،تقویٰ کا حق ادا کرنا بندوں کے بس کی بات ہی نہ تھی۔چنانچہ اللہ نے اپنے حکم میں نرمی فرماتے ہوئے سورہ تغابن میں ارشاد فرمایا:''جتنا تم سے ہوسکے اتنا تو اللہ سے تقویٰ اختیار کرو''۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہم سب کو تقویٰ اختیار کرنے اور تمام گناہوں اور برائیوں سے حتی المقدور بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

مغربی میڈیا کی اسلام دشمنی

ازقلم: ابن عطاء اللہ بنارسی

اتنی نہ بڑھا پاکئ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ! ذرا بند قبا دیکھ!

ماضی قریب کی تاریخ اٹھا کر پڑھیے! چاہے اسلام کا نام دہشت گردی سے اور دہشت گردی کا نام اسلام سے حتی کہ اسلامی وضع قطع سے، کرتا، پائے جامہ، ٹوپی اور داڑھی سے وابستہ کرنے کا بدترین اور ابلیسی پروپگنڈا ہو، یا پھر ملا عمر، یاسر عرفات، معمر قذافی، صدام حسین، حافظ محمد مرسی جیسے مسلم لیڈروں کے خلاف زمین دوز سازش ہو، یا پھر مصر کی "اخوان المسلمین" اور فلسطین کی "حماس" جیسی اسلامی تنظیموں کے خلاف محاذ آرائی ہو، یا حال کا منظر نامہ اٹھا کر پڑھیے، دن کے چڑھتے ہوئے سورج کی طرح صاف نظر آئے گا کہ مغرب اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف مغربی میڈیا کا کتنا اور کیسا کیسا استعمال کر رہا ہے، بالخصوص ان شخصیات، ان تحریکات اور ان ممالک کے خلاف جو مغرب کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کرنے کی جرات کرتے ہیں! یورپ و امریکہ کی نگاہ میں دنیا کا ہر وہ شخص دہشت گرد اور عالمی مجرم ہے جو انکے استبدادی نظام سے اتفاق نہیں رکھتا۔

مثال کے طور پر غور فرمایا جائے کہ ابھی طالبان کو افغانستان میں اقتدار سنبھالے کتنا عرصہ ہوا ہے؟ ظاہر ہے کہ ان کو اپنے نظریات اور اپنے لائحہ عمل کے مطابق افغانستان کی تعمیر و ترتیب کرنی ہے، اور افغانستان کسی محلے یا کس شہر کا نام نہیں بلکہ ایک ملک کا نام ہے، ایک ملک کی از سر نو تعمیر کرنے اور سرکاری نظام کو مرتب کرنے میں کس قدر سرمایہ درکار ہوگا، کسی صاحبِ عقل سے مخفی نہیں، اور امریکہ نے اپنے بیس سالہ دورِ حکومت میں افغانستان کو دیمک کی طرح چاٹ کر رکھ دیا تھا، اور بچا کھچا سرمایہ بھی افغانستان سے بھاگتے ہوئے لے کر بھاگا، اور اب اپنے شیطانی کارندے یعنی مغربی میڈیا کے ذریعہ دنیا میں شور شرابہ مچایا ہوا ہے کہ افغانستان میں غربت ہے، افلاس ہے، بھک مری ہے، غریبی

ہے، لاقانونیت ہے، یہ ہے وہ ہے، ایسا ہے ویسا ہے!

حالانکہ حکومتِ افغانستان، چین اور دیگر ممالک کے ساتھ تجارتی رشتہ قائم کرکے اپنی معیشت کو بحال کرنے کی کوشش کررہی ہے، ظاہر ہے جس ملک کو بیس سال تک لوٹا کھسوٹا گیا ہو، بیس سال تک جسے جنگ کے دلدل میں پھنسائے رکھا گیا ہو، بیس سال تک جس ملک کی ترقی اور تجدید کے سارے دروازے مغلق کئے گئے رہے ہوں، اس کی معیشت کو دوبارہ سنبھلنے میں وقت تو لگے گا!

اب مغربی میڈیا سے جہاں ساری غیر اسلامی دنیا متاثر ہے، وہیں وہ لوگ بھی متاثر ہیں جن کا نام مسلمانوں سے ملتا جلتا ہے؛ مگر وہ یورپ و امریکہ کو خدائے وقت اور آقائے عالَم تصور کرتے ہیں۔

اسلام کے خلاف محاذ آرائی کے علاوہ مغربی میڈیا دنیا میں مغربی تہذیب کے فروغ کے لئے بھی کام کرتا ہے، حتی کہ شراب نوشی، عریانیت، ہم جنس پرستی اور زنا جیسے بربادی خیز افعال کی تبلیغ کرتا ہے، مغرب کے مقاصد سے بے خبر نوجوان نسل مغربی اخبارات اور میگزین کا مطالعہ کرنے سے لحظہ بلحظہ مغربی چال کا شکار ہوتی جارہی ہے، اور اس طرح خدا کی زمین پر مغربیت کا دائرہ دن بہ دن وسیع ہوتا جارہا ہے۔

اسلئے ضروری ہے کہ ہمارے مدارس ہفتہ واری جلسوں میں طلباء کو مغربیت اور مغربی میڈیا سے مقابلہ آرائی کی مشق کرائیں، تاکہ جب یہ طلباء میدان عمل میں آئیں تو وہ عوام کو مغربیت سے باقاعدہ روشناس کراسکیں!

اور بحیثیت مسلمان یہ سخن ہم سب کو یاد رکھنا چاہیے کہ مغربی میڈیا کی شیطانی چال اور مغالطہ خیز خبروں کو سمجھنے کے لئے صرف انگریزی پڑھنا ضروری نہیں، بلکہ اسلامی حمیت بھی ضروری ہے، ورنہ مغربی میڈیا جس رخ پر جارہا ہے وہ ہماری غیر اسلام شناس نسلوں کو اپنے ساتھ بہالے جائے گا، مغرب اور مغربی میڈیا کا مقابلہ، صرف تعلیم، دولت، شہرت، طاقت، سیاست اور ہتھیار سے نہیں کیا جاسکتا، اگر مغرب سے مقابلہ کے لئے یہ ساری چیزیں کافی ہوتیں تو عرب کے شیوخ کب کا امریکہ اور اس کے میڈیا کو زمین میں دفن کرچکے ہوتے، مگر مغرب اور مغربی میڈیا کے مقابلے کے لئے جو چیز سب سے

ضروری ہے وہ ہے اسلامی حمیت اور اسلامی جذبہ۔

یہ امکانات کی دنیا ہے اور امکانات کی دنیا اسباب پر منحصر ہوا کرتی ہے، اربابِ مغرب نے اپنے مقاصد کے حصول میں اسباب کو اختیار کیا ہے اور تن من دھن کو خرچ کیا ہے، اگر ہم بھی ان کی جیسی سعی اور سعی مسلسل کریں تو ان سے مقابلہ آرائی کی سبیل ضرور نکل سکتی ہے، اور ہم یہ صدا دینے لائق بن سکتے ہیں کہ:

دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرِ کم عیار ہوگا

اپنی بہن بیٹیوں کو جہیز نہیں بلکہ میراث میں حصہ دیجئے!

محمد سعید گورکھپوری
یکے از ابنائے قدیم مدرسہ عربیہ ریاض العلوم گورینی جونپور، (یوپی)

جس طرح اسلام نے زندگی کے ہر شعبے اور ہر معاملے میں ہماری رہنمائی کی ہے، بلکل اسی طرح اسلام نے میراث کے سلسلے میں بھی ہماری کامل ومکمل طور پر رہنمائی کی ہے۔

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں میراث کے سلسلے میں ہمیں کچھ اصول اور ضابطے بتائے ہیں، ان اصول وضوابط کے مطابق میراث کو تقسیم کرنا ہم مسلمانوں پر فرض ہے، اب جو اصل وارث ہیں ان پر میراث کی تقسیم فرض عین اور رشتہ داروں اور دوسرے ذمہ داروں پر فرض کفایہ ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میراث وارثوں پر فرض عین اور رشتہ داروں پر فرض کفایہ ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ رشتہ دار ایک دوسرے کو تلقین کریں، ایک دوسرے سے بولیں کہ جتنی جلدی ہو سکے میراث تقسیم کرلیں، کیوں کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے کہ کب کیا ہو جائے، اگر میراث کو تقسیم کئے بغیر ہماری موت آ گئی تو کل قیامت کے دن اللہ رب العزت کی عدالت میں ہماری پکڑ ہوگی، ہم سے میراث سے متعلق پوچھا جائے گا، تو کیا جواب دیں گے ہم اللہ رب العزت کو؟ کیا منہ دکھائیں گے ہم اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو؟

میراث کو تقسیم کرنا ہمارے اوپر فرض کفایہ ہے، اگر ہم نے میراث کو تقسیم کر کے صاحب حق کو اس کا حق دے دیا تو ہمارے اوپر سے یہ فرض کفایہ ادا ہو جائے گا، اور وارثوں کو چاہیے کہ فوراً میراث تقسیم کرلیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اچانک موت آ جائے اور اللہ کی عدالت میں اس حالت میں پیشی ہو کہ دنیا میں میراث تقسیم نہ کر کے بغیر انصاف کے رخصت ہو جائیں اور اس آیت کے مصداق ٹھہریں، "اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ الخ، اور پھر جہنم کے مہمان بنیں۔

آج اگر ہم اپنے معاشرہ کا جائزہ لیں، اپنے معاشرے میں نظر دوڑا کر دیکھیں تو واضح طور پر یہ

تصویرا بھر کر سامنے آتی ہے کہ آج اچھے سے اچھے دیندار، نمازی، حاجی (اور نہ جانے کیا کیا القاب استعمال کرنے والے لوگ بھی) اس گناہ کبیرہ میں ملوث ہیں، بلا مبالغہ ہمارا یہ حال ہے کہ بظاہر متقی نظر آنے والے لوگ بھی جب میراث سے متعلق باتیں کرتے ہیں تو ان کے منہ سے ناحق اور ناانصافی کی بو آتی ہے، جبکہ وہ اپنے آپ کو اللہ کا برگزیدہ بندہ سمجھتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اکثر ایسے ہی بظاہر متقی، پرہیزگار ل، حاجی، نمازی نظر آنے والے لوگ ہی کھلے طور پر ایک دوسرے کا حق تلف کرکے، ایک دوسرے کا حق مار کرکے، ایک دوسرے کا حق کھا کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کی خلاف ورزی کرنے پر تلے نظر آتے ہیں۔

ہم ذرا اپنے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں اور ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیں، اور بتائیں ہم میں سے کتنے ایسے لوگ ہیں جو میراث کو شریعت کے بتائے ہوئے اصولوں اور ضابطوں کے مطابق تقسیم کرتے ہیں، ہم میں سے اکثر لوگ جان بوجھ کر وراثت کی تقسیم میں تاخیر کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں، اور جانے انجانے میں جہنم کے لیے اپنے آپ کو تیار کرتے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم میراث کے شرعی حکم پر عمل کرتے ہوئے ہر ایک کو اس کا حق دیں، اور جنت کے حقدار بنیں، ورنہ وہ دن دور نہیں جب ہم سب اللہ رب العزت کی عدالت میں کھڑے ہوں گے اور اللہ رب العزت میراث سے متعلق ہم سے سوال کریں گے تو اس وقت ہم سوائے افسوس کے کچھ نہیں کر پائیں گے۔

اس وقت عام طور پر ہم مسلمان میراث کی تقسیم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان وہدایات کے مطابق نہیں کرتے ہیں، بلکہ ہم میں سے جو طاقتور وارث ہوتے ہیں وہ دوسرے کمزور وارثوں کے حصوں کو ہڑپ کر جاتے ہیں، اور دوسرے وارثوں کو وراثت سے محروم کر دیتے ہیں، اس وقت پوری دنیا میں عموماً اور ہمارے ہندوستان میں خصوصاً یہ وبا بہت عام ہے، جہاں بھائی اپنی بہنوں کے حصوں کو بڑی شان کے ساتھ ہڑپ کر جاتے ہیں اور ایسا لگتا ہے جیسے وراثت میں لڑکیوں کا، بہن بیٹیوں کا کوئی حصہ ہے ہی نہیں، جبکہ قرآن مقدس کے سورہ نساء کی آیتوں میں پوری تفصیل، پوری وضاحت اور

صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ کس کو کتنا حصہ ملے گا؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ وبا ہم مسلمانوں کے اندر کہاں سے آئی؟

تو ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ لڑکیوں کو وراثت سے محروم رکھنے کی یہ وبا ہمارے ہندوستان میں غیر مسلموں سے آئی ہے، چوں کہ ان غیر مسلموں کا نظریہ یہ ہے کہ اگر لڑکیوں کی شادی میں جہیز وغیرہ دے دیا گیا تو اب وراثت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، اسلامی نقطۂ نظر سے یہ بالکل بے بنیاد ہے، وراثت میں لڑکیوں کا حصہ اتنا ہی ضروری ہے جتنا لڑکوں کا ضروری ہے، میراث کے حصے تقسیم نہ کرنے پر ہم سب کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سخت برہمی اور سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے، چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة " (مشکوٰۃ)

ترجمہ: "جس نے کسی وارث کے حصۂ میراث کو روکا تو اللہ رب العزت قیامت کے دن جنت سے اس کے حصے کو روکیں گے"۔

اس کے علاوہ بہت سی احادیث میں اس کی اہمیت و افادیت اور وعید کا ذکر آیا ہے۔

میراث کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اس کی تفصیلات قرآن مقدس کی کئی آیتوں میں بیان فرمائی ہے، جبکہ دیگر کئی احکام کی صرف فرضیت کو ہی بیان کیا گیا ہے مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ ان احکامات کی تفصیل حدیث پاک سے معلوم ہوتی ہے۔

مال اللہ رب العزت کی دی ہوئی نعمتوں سے ایک ایسی نعمت ہے جس کے ذریعہ ہم اپنی دنیاوی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں، مال ایک ایسی چیز ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اسے چھوڑنا نہیں چاہتا، ہاں یہ اور بات ہے کہ معاشرتی دباؤ کی بناء پر کمزور انسان خاموش رہ جاتا ہے، لیکن دل میں خواہش، تمنا اور اپنا حق حاصل کرنے کی تڑپ ہر ایک میں موجود ہوتی ہے، جو لوگ بہنوں کو حصہ نہیں دیتے اور بہنیں یہ سمجھ کر کہ ملنے والا تو ہے نہیں، لہذا بھائیوں سے کیوں برائی مول لیں، نا چاہتے ہوئے بس شرما شرمی معاف کر دیتی ہیں، انہیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ایسی معافی شرعاً معتبر نہیں ہوتی ہے، ان کا حق بھائیوں کے ذمہ واجب رہتا ہے، یہ میراث دبانے والے اور اپنی بہنوں کا حق تلف کرنے والے سخت گنہگار رہیں۔

عورت کا میراث میں حصہ اللہ نے متعین کیا ہے، باپ کی میراث میں بیٹی کا حصہ اور بھائی کی جائیداد میں بہن کا حصہ اللہ کا دیا ہوا مال ہے؛ جب تک وہ مال انہیں دے نہ دیا جائے، ان کا حق برقرار رہے گا اور نہ دینے والا اس مال پر غاصب قرار پائے گا،

لہٰذا اگر ہم نے خود اپنے والد کی جائیداد میں اپنی بہنوں کو حصہ نہیں دیا ہے، یا اپنے دادا یا دادی کی جائیداد میں اپنی پھوپھی کو حصہ نہیں دیا ہے، یا ہمارے والد نے اپنی بہن کو حصہ نہیں دیا تھا، تو یاد رکھئے کہ یہ مال ناجائز ہے، یہ دوسرے کا حق ہے جس سے فائدہ اٹھانا ان کی اجازت کے بغیر ناجائز ہے، اگر ہماری پھوپھی، یا ہماری بہن آج زندہ نہیں ہیں تو بھی ان کا وہ حق ختم نہیں ہوگا؛ بلکہ ان کا حصہ اسی طرح باقی رہے گا اور ان کے وارثین اس حصہ کے مالک ہوں گے۔

کہتے ہیں کہ یہ ترقی یافتہ دور ہے مگر افسوس کی بات ہے کہ آج کے ترقی یافتہ کہلانے والے اس دور میں بھی عموماً خواتین کو ان کے حق کے مطابق وراثت میں حصہ نہیں ملتا، کئی جگہ جہالت کی وجہ سے اور کئی جگہ غفلت کی وجہ سے اور کئی جگہ ظلم کی وجہ سے مستحق وارث کو اس کا حصہ نہیں دیا جاتا، ایسا لگتا ہے کہ ہمارے طرزِ زندگی (Lifestyle) کا محور اسلامی تعلیمات کے بجائے رسم ورواج کی پابندی بنتا جارہا ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں میراث تقسیم کرنے کا رواج ہی نہیں ہے، جس کی وجہ سے بیٹے مالک بن بیٹھتے ہیں، کوئی بھائی اپنی بہنوں کو ان کا حصہ میراث میں نہیں دیتا، نہ بیوی کو میراث ملتی ہے، نہ ماں کو میراث ملتی ہے، اور نہ بیٹیوں کو میراث ملتی ہے، اسی طرح نابالغ بچوں کو بھی میراث نہیں ملتی ہے، اسی طرح جو بھائی باپ کی زندگی سے ماتحت بن کر رہ رہے ہیں اور ان کے قبضے اور اختیار میں کاروبار نہیں ہے، اُن کو بھی میراث نہیں ملتی، اور عام طور پر ایسے بھائی فتویٰ لینے آتے ہیں جن کے قبضے میں کاروبار نہیں ہوتا، اور جو بھائی کاروبار پر قابض ہوتے ہیں وہ باپ کے کاروبار کے منتظم اور چلانے ہوتے ہیں وہ اس فتوے کو دیکھ کر انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں اس فتوے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہم اس کو نہیں مانتے ہیں، یہ وہ ظلم ہے جو ہمارے معاشرے میں نہ جانے کب سے چلا آرہا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے ایک بالشت زمین بھی ظلماً لے لی ہوگی اسے قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا“۔

آج ہم مقدمات لڑکر، جھوٹی سچی گواہیاں دلوا کر، رشوت کی تھیلیاں کھول کر اپنی بہنوں اور دیگر وارثوں کی زمین وجائداد کو اپنی بنا لیتے ہیں، ان کے حقوق پر ڈاکے ڈالتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ دنیاوی قانون کی رو سے وہ چیز ہماری ہوگئی تو اب خدائی قانون کی رو سے بھی وہ چیز ہماری ہوگئی، جب کہ یہ ہماری بھول ہے، قیامت تک وہ چیز ہماری نہیں ہوسکتی، ہمیں اس چیز سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق نہیں ہے، ہم اس کے ذریعہ جو کچھ بھی حاصل کررہے ہیں سب حرام ہے، وہ جہنم کا ایک ٹکڑا ہے جو ہم نے جھوٹی گواہیاں دلوا کر اور رشوت کی تھیلیاں کھول کر حاصل کی ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”من ادعی ما لیس لہ فلیس منا ولیتبوأ مقعدہ من النار“

ترجمہ: ”جو کسی ایسی چیز کا دعویٰ کرے جو اس کی نہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے“۔

ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اپنی بہن، بیٹیوں اور دوسرے وارثوں کے حقوق پر ڈاکے ڈالنا، ان کی زمین وجائداد پر ناجائز قبضہ کرنا یہ حقوق العباد میں سے ہے، اور حقوق العباد یہ حقوق اللہ سے بھی زیادہ خطرناک ہے، اللہ اپنا حق چاہیں گے تو معاف کردیں گے، مگر بندوں کا حق بندے ہی معاف کریں تو کریں اللہ معاف نہیں کرے گا، بلکہ قیامت کے دن بڑے خطرناک طریقے سے اصول کیا جائے گا۔

اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم سے حقوق العباد میں جو کمی کوتاہی ہوئی ہے ہم اپنی زندگی ہی میں ان کی تلافی کرلیں، ہم میں سے جس نے اپنے کسی دوسرے بھائی، بہن کی جائداد خواہ وہ معمولی ہی کیوں نہ ہو ظلماً لے لی ہو وہ اسے واپس کردے، ہمارے وہ بھائی، بہنیں جن کے زمین وجائداد پر ہم نے قبضہ کیا ہے اگر وہ زندہ نہیں ہیں تو ہمیں چاہئے کہ ہم وہ زمین وجائداد ان کے ورثہ کو دے دیں، اگر بالفرض وارث بھی نہ ہوں تو انہیں صدقہ کردیں، لیکن اپنے پاس نہ رکھیں، اور اللہ رب العزت سے سچے دل سے اپنی اس غلطی کی معافی مانگیں، امید ہے کہ اللہ رب العزت معاف فرمادیں گے۔

لیکن اگر ہم نے اس دنیا میں اپنے بھائی، بہنوں کو میراث میں حصہ نہیں دیا، ان کا حق نہیں دیا، تو یاد رکھئے گا ہماری یہ ڈھیر ساری نمازیں، روزے، حج، زکوٰۃ، صدقات وخیرات اور لمبی لمبی نفلیں، لمبی لمبی تسبیحات، یہ ڈاڑھی، جبے، قبے، کرتے، پائجامے وغیرہ کچھ کام نہیں آئیں گے، ہم خواہ آخرت

میں نیکیوں کے ذخیرے اور نیکیوں کے پہاڑ لیکر جائیں گے مگر ہماری گلو خلاصی نہ ہوگی، ہماری یہ عبادات حقوق العباد کے سامنے بالکل بے حیثیت ہو کر رہ جائیں گی، قیامت کے دن ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے گا، قیامت کے دن ہم سے زیادہ بے چارگی اور مفلسی میں کوئی شخص نظر نہیں آئے گا، تھوڑا نہیں پورا سوچئے!

جب قیامت کا دن ہوگا، حشر کا میدان ہوگا، نفسی نفسی کا عالم ہوگا، ہر شخص ایک ایک نیکیوں کے لئے ترسے گا، تڑپے گا، ہر شخص اپنی اپنی محبتوں، اپنے اپنے احسانات کا حوالہ دیکر اپنی نیکیاں کم ہونے کی صورت میں اپنے اپنے اعزا و اقرباء سے ایک ایک نیکیوں کی بھیک مانگے گا، مگر ایک نیکی بھی نہیں ملے گی، ایسے وقت میں ہماری نیکیاں اٹھا اٹھا کر ہمارے ان بھائی، بہنوں اور رشتہ داروں کو دے دیا جائے گا، جن کا ہم نے حق مارا ہوگا، جن کو ہم نے وراثت میں حصہ نہ دیا ہوگا، قیامت کے دن جب ہمارے ظلم کے بدلے مظلوم کی برائیاں ہمارے اوپر لاد دی جانے لگیں گی تو ہم کس لائق رہ جائیں گے، قیامت کے دن ہم اتنے بے بس اور لاچار ہوں گے کہ ہم اپنی بے چارگی کی فریاد بھی کسی سے نہیں کر پائیں گے، اگر کسی سے فریاد کریں گے بھی تو کوئی ہماری دادرسی نہیں کرے گا، یہاں تک اللہ رب العزت بھی ہماری کوئی فریاد نہیں سنیں گے، کیوں کہ یہ سب ان ہی کے حکم سے ہوگا، اور اللہ رب العزت بھی حق والوں کو حق لینے سے نہیں روکیں گے، حقیقت ہے کہ اگر وہاں بھی انصاف نہیں ہوگا تو کہاں ہوگا؟ اگر وہاں بھی مظلوموں کو اپنا حق نہیں ملے گا تو کہاں ملے گا؟

اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے دل میں اللہ کا خوف، آخرت کی فکر، اللہ رب العزت کے سامنے جواب دہی کا احساس پیدا کریں، میراث میں اپنے بھائی، بہنوں اور دوسرے وارثوں کو حصہ دیں، ان کا حق نہ ماریں، ورنہ ہماری پوری زندگی کے نیک اعمال اکارت اور بے کار ہو جائیں گے، قیامت کے دن ہمیں ان اعمال سے کوئی فائدہ نہیں پہونچے گا، قیامت کے دن ہم افسوس سے ہاتھ ملیں گے، مگر اس دن افسوس سے ہاتھ ملنا بھی کچھ کام نہیں آئے گا۔

اللہ رب العزت ہم سب کو اپنے دین کی صحیح سمجھ عطاء فرمائیں اور اپنی رضاء والی زندگی نصیب فرمائیں، آمین ثم آمین یارب العالمین۔

اسراف وفضول خرچی کی مذمت

محمد عرفان فلاحی وریاوی
خادم الطلبہ: مدرسہ انوارالعلوم سگرام پورہ، سورت، گجرات

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمان الرحیم۔

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ. (۱۴۱:)

ترجمہ: یقیناوہ (اللہ تعالی) فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔ (تیسیر القرآن)

اسراف کیا ہے؟؟

۱۔ الاسراف: تجاوز الحد فی النفقة

اسراف خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کرنے کا نام ہے۔

۲۔ وقیل: ان یاکل الرجل مما یحل له فوق الاعتدال، و مقدار الحاجة

بعض نے کہا: حرام کھانا، یا حلال چیز ضرورت واعتدال سے زیادہ کھانا اسراف ہے۔ (قرآن کریم کی روشنی میں پسندیدہ وناپسندیدہ افراد۔ حضرت مولانا محمد نعمان صاحب)

اللہ جل جلالہ وعم نوالہ مسرفین کو شیطان کا بھائی قرار دیتے ہیں، اور شیطان تو اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوٓا إِخْوَانَ الشَّيٰطِينِ، وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُورًا. (الاسراء: ۲۷)

اسراف کی مذمت پر دیگر آیات قرآنی کی تعیین بھی ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ سورۂ اعراف: ۳۱۔

۲۔ سورۂ یونس: ۸۳۔

۳۔ سورۂ بنی اسرائیل: ۲۶

اس ضمن میں ایک انتہائی افسوس ناک کارگزاری بھی پڑھیں، اور اندازہ لگائیں کہ ہم کس قدر

اسراف وفضول خرچی کر کے اپنے مہربان رب سبحانہ وتعالیٰ کی ناراضگی مول رہے ہیں، اور مال جیسی عظیم الشان نعمت کی کس قدر نا قدری ہو رہی ہے!!

حضرت مولانا محمد یاسین صاحب سورتی مدظلہ نے بمقام چڑ گر مسجد سوداگرواڑ، سورت میں بتاریخ ۱۹ / مارچ ۲۰۲۳ء بروز اتوار بعد نماز فجر تنفیذی مشورہ میں یہ افسوس ناک کارگزاری بیان فرمائی، اور یہ عاجز بھی بنفس نفیس شریک تھا، گویا ہم اس کارگزاری کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ سمعت اذنای ووعاہ قلبی۔

حضرت مولانا یاسین صاحب نے فرمایا کہ:

"احمد آباد جانا ہوا، ایک صاحب نے بتایا کہ مولانا! فلاں ساتھی سے ملاقات کرتے ہیں، ان کی ملاقات ہو تو بہت بہتر۔

حضرت نے استفسار کیا کہ کیا کوئی اہم کارگزاری ہے؟ اس پر ان صاحب نے بتایا کہ:

"ان کی اولاد میں سے کسی کا نکاح تھا، تو صرف اور صرف اسٹیج بنانے میں ۱ / کروڑ روپیہ خرچ ہوا"۔

اللہ اکبر! کیا اس حقیقت بیانی پر ہمیں یقین نہیں کہ بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم خرچ ہو۔ اور شادی تو سادی ہی ہوتی ہے، مگر جب ہماری صلاحیتیں حق پر نہیں لگیں گی تو باطل پر خرچ ہوں گی، اور جان و مال کی صحیح ترتیب نہ ہوگی تو مہربان رب کی اس عظیم نعمت کی اسی طور پر ناشکری ہوگی۔ اللھم احفظنا منہ۔

اس لئے یہ ایک پیغام محبت ہے کہ شادی بیاہ میں فضول خرچی سے بچیں، تا کہ نکاح آسان ہو، اور زنا مشکل ہو، اور غریب کی بیٹی کی عزت سلامت رہیے، سمجھنے والوں کے لئے اس میں بہت سے دروس وعبر ہیں۔

ماسٹر عبدالقدیر صاحب لوہرسنوی ؒ

مولانا مشہود رحمانی قاسمی

آسماں تیری لحد پہ افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

متحدہ بستی کی نمایاں وقد آور شخصیات پر اگر نظر ڈالی جائے تو اللہ جل مجدہ نے اس خاک کو ایک الگ ہی مقام ومرتبہ سے نوازا ہے، ندوہ، دارلعلوم، سہارنپور، شاہی جیسے مستند اداروں سے لے کر خاک عرب تک، متحدہ بستی کے چنیدہ افراد کو خدا نے اپنی خاص مقبولیت وشہرت سے نوازا ہے، فللہ الحمد والمنہ۔

لیکن قدرت کا نظام ہے کہ دنیا کی ہر شے فانی ہے، اس اصول سے کسی فرد کا انحراف نہیں، بناء بریں بہت سی عظیم الشان ہستیاں داغ مفارقت دے گئ ہیں، مگر ہر کی وفات کو ایک عظیم سانحہ شمار کیا جائے کوئی ضروری نہیں، ہاں اتنا ضرور ہے کہ کچھ اموات دلوں میں کاری ٹھیس پہنچا کر ایک المناک و غمناک ماحول بنادیتی ہیں۔

اسی سے وابستہ ایک گمنام ہستی دارالعلوم الاسلامیہ بستی میں ”جناب ماسٹر عبد القدیر صاحب لوہرسنوی رحمہ اللہ“ کی ہے، جن کا ذکر خیر نہ کرنا متحدہ بستی کے لئے حق تلفی کا سبب ہوگا۔

پیدائش وتعلیم وتربیت

آپ رحمہ اللہ کی پیدائش 10 / 08 / 1949 ہے، ابتدائی علوم دینیہ جملہ خصوصیات کے حامل والد ماجد صوفی حشمت اللہ کے آغوش میں ہوئی اور انہیں کی صحبت ومعیت میں تربیت پائی، بعدہ بکھرا انٹر کالج سے عصری علوم کی تکمیل فرمائی۔

تدریس

اولا پچپو کھکری انٹر کالج میں علوم عصریہ کی تعلیم دی، اس کے بعد مگہر میں کچھ دن خدمت انجام

دی،اس کے بعد غازی آباد ضلع کے موضع سلائی میں ایک مدت تک اپنا فیض پہنچاتے رہے،اور لوگ آپ کے فیوض سے سیراب ہوتے رہے،اور ماسٹر صاحب کے تفاخر کے لئے ایک بے مثال استاد حضرت مولانا معروف صاحب قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند زید مجدہ آپ ہی کے شاگرد رشید ہیں،خود حضرت والا نے احقر سے بارہا ماسٹر صاحب کا تذکرہ کیا اوران کی جفاکشی ومحنت کی خوب سراہنا کرتے۔

تدریس میں دلچسپی کا یہ حال تھا کہ قریب 2012 میں جب احقر کا زمانہ طالبعلمی تھا،تو خارج وقت میں احقر نے انگلش پڑھنے کے لئے زانوئے تلمذ تہ کرنے کی درخواست کی تو بلا جھجک قبول کرلیا اور بعد العشاء کا وقت طے ہوا،اور چوں کہ حضرت کو چائے کا کافی شوق اور یہ کہنا بے جانہ ہوگا:

بس طلب چائے کی پیالی ہے
ہم سا بھی کب کوئی سوالی ہے
ایک وہ چاہ، ایک چائے ہے
باقی ہر شے ہی اب گنوا لی ہے
اک محبت کی اور چائے کی
بھلا کس نے کبھی جگہ لی ہے
اپنی ہر پیاس آپ نے ابرک
اپنی چائے میں ہی بجھا لی

تو خلاصہ یہ کہ ماسٹر صاحب کے یہاں چائے ہر وقت چڑھی ہی رہتی،اس کے باوجود کوئی چائے کے لئے مدعو کرے تواس پر لبیک کہتے۔

بہر حال! پڑھانے کے بعد چائے حاضر کرتے،ٹھنڈک کے موسم میں کتاب کے بعد سب سے زیادہ نشہ چائے کا رہتا تو یہ نشہ اتار کر بھیجتے،اس کے بعد مزید احسان یہ کہ معاوضہ دینے کی کوشش کی تو بلا تأمل انکار کردیا،اس سے زیادہ اخلاص کی دلیل اور کیا ہوگی۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

اخلاق وکردار

صغیر وکبیر جس سے بھی ملاقات ہوتی خندہ پیشانی اور بشاشت کا اظہار فرماتے،اور خاص وصف یہ

تھا کہ شناسا ہو یا غیر شناسا ماحضر کی ضیافت پر مجبور کرتے ، ہاں روزمرہ کے واردین وصادرین ماسٹر صاحب کے ہاتھ سے بنے ہوئے متلذذ مختلف النوع کھانوں کا خوب لطف اٹھاتے۔

دارالعلوم الاسلامیہ بستی سے انسیت

ماسٹر صاحب مرحوم کی سب سے طویل خدمت دارالعلوم الاسلامیہ بستی کی ہے،اس ادارہ سے وابستہ ہرفرد آپ کی ہرادا،خوبی وکمالات سے بخوبی واقف ہے،سن 84 سے 24 تک تقریباً تیس سال جس تندہی ، دلجمعی اوراس خلوص کے ساتھ کام کوانجام دیا ہے کہ ادارے کی طرف سے جوبھی کام حوالہ کیا جاتا بلاجھجک اور ماتھے پر شکن لائے بغیر بحسن وخوبی اس طرح انجام دیتے کہ وقت سے پہلے ہی کام پورا ہوجاتا اورکسی کو پتہ بھی نہیں چلتا، یہ ایسا ملکہ تھا کہ شاذونادر ہی کوئی فرد اس کا حامل ہو۔

دارالعلوم الاسلامیہ سے انسیت کا یہ عالم تھا کہ پوری زندگی وہیں کھپادی، اس کے لئے یہی ایک نمونہ کافی ہے کہ اوقاتِ تعلیم تو درکنار،اوقاتِ تعطیل بھی ماسٹر صاحب کی وہیں گذرتا،حال یہ ہوتا تھا کہ پورامدرسہ یکسر خالی رہتالیکن حضرت والا کوالاسلامیہ کی درودیوار سے لے کر ہر ہر چیز ان کی رگ میں پیوست تھی۔

دوسری طرف یہ حال رہتا کہ جب بھی گھر آمد ہوتی تو جمعہ کی شام نہیں تو سنیچر کی صبح ہر حال میں حاضری کوفرض سمجھتے، چاہے وہ ایام مدرسے کی تعطیل کا ہی کیوں نہ ہو،جبکہ گھر والوں کا مزید اقامت پر اصرار رہتا۔

حتیٰ کہ وفات سے وابستہ ایام میں بستی ہاسپٹل جانے کے لئے تیارنہیں تھے،ہاں جب یقین دلایا گیا کہ آپ کو مدرسہ لے جارہے ہیں تب جا کر حامی بھری،لیکن کس کومعلوم تھا کہ یہ سفر دنیا ہی سے کوچ کرنے کا سفر تھا،ہاسپٹل سے واپسی میں راستے ہی میں داغ مفارقت دے گیے۔اناللہ وانا الیہ رجعون۔

متحدہ بستی کی یہ گمنام ہستی 21/ 06/ 2024 کوتقریباً 75 سالہ زندگی گذار کر جوار رحمت میں ہمیشہ کے لئے سو گیے۔

اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے۔آمین

بدگمانی کے دینی ودنیاوی نقصانات

محمد عبداللہ مہاراشٹر
متعلم دارالعلوم دیوبند

آج کل کی دنیوی، علمی اور صنعتی ترقی نے انسانی زندگی کو بدل کر رکھ دیا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں جو حیرت انگیز صنعتی انقلاب پیدا ہوگیا ہے، اس نے تاریکیوں کو روشن اور مشکلات کو آسان بنا کر عرصۂ گیتی کو دریاؤں کی گہرائی سے لے کر اوجِ فضا تک، جولان گاہ بنا دیا ہے؛ لیکن اس علمی ترقی اور تمام ترقوں وافکار کے مادی مسائل پر مرکوز ہوجانے کے باعث، ایمان وتقوی، یکجہتی و بھائی چارگی کی بنیادیں بالکل کھوکھلی سی ہوگئی ہیں، وحشت ناک مفاسد کا ایک معاشرے کے ہر پہلو میں پیدا ہوگیا ہے، جنایات وجرائم کا بازار گرم ہوگیا ہے، معاشرے کی اصلاح وسعادت کے اسباب نے فساد اور بدبختی کے مقابلہ میں اپنے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں اور روحانیت کے بچے کھچے اجزاء بھی نفسانی خواہشات کے شعلوں میں جل کر خاک ہوگئے ہیں۔

جھوٹ، حرص، نفاق ستم گری، جاہ طلبی، حسد، کینہ اور بدگمانی وغیرہ نے سعادت وخوش بختی کے سامنے، مضبوط بندھ باندھ دیے ہیں، پورے معاشرے کا ستیاناس کردیا ہے۔ اتحاد کے رشتوں کی شکستگی، انفرادی واجتماعی بے چینی، مختصر یہ کہ ہر قسم کی بختی نے معنویت وروحانیت کا خاتمہ کردیا ہے۔

بدظنی وبدگمانی: جو انتہاہی خطرناک قسم کی روحانی بیماری ہے، بہت سی ناکامیوں، بربادیوں اور مایوسیوں کا سرچشمہ ہے، یہ ہماری عام بیماری ہوگئی ہے۔ نیز یہ ایک ایسی بیماری ہے جس کے باعث انسان کی روح مسلسل عذاب میں مبتلا رہتی ہے۔

رنج وغم ہی وہ مرکز احساس ہے، جہاں سے ممکن ہے کہ بدگمانی کا آغاز ہوتا ہو اور احساسات وجذبات میں ایک شرکیہ انقلاب وطوفان کا سبب بنتا ہو، بدگمانی کا بیج ناگوار وتلخ اثرات مرتب کرتا ہے، جس کا آئینہ روح، بدگمانی کے غبار سے، کثیف اور تاریک ہو چکا ہو، اس کے سبب محض وہی نہیں کہ

آفرینش کی خوبیاں وزیبائیاں اجاگر نہیں ہوسکتی؛ بل کہ سعادت اور خوش بختی اپنی صورت بدل کر ملال واضملال بن کر ظاہر ہوئی ہیں اور ایسا شخص کسی بھی انسان کے کردار وافکار کو بے غرض تصویر نہیں کرسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب اسلام جو کہ پیار ومحبت اور امن و بھائی چارگی کا پیغامبر ہے، بدگمانی کو بہت بڑا گناہ شمار کرتا ہے اور مسلمانوں کو اس بات سے روکتا ہے کہ ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانی کریں۔ ارشاد ربانی ہے: **یٓا ایُّھَا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظَّنّ اِنَّ بعض الظَّنِ اِثم الخ** (الحجرات: ۱۲) اے لوگوں! جو ایمان لا چکے ہوا بہت سی گمان کی باتوں سے بچو، کہ بعض گمان گناہ ہے، تجسس میں نہ پڑو اور نہ تم میں سے ایک شخص دوسرے کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، جسے تم ناپسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والے اور مہربان ہیں۔ (الحجرات ۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے آپ کو بدگمانیوں سے بچاؤ'' اس لئے کہ بدگمانی سے جو بات کی جائے وہ سب سے زیادہ جھوٹی ہوتی ہے اور دوسروں کے معاملات میں معلومات مت حاصل کرتے پھرو اور ٹوہ (عیب ڈھونڈنے والے) میں مت رہو اور نہ آپس میں تکرار کرو، نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو، نہ ایک دوسرے سے قطع تعلق کرو۔ اللہ کے بندے بنو اور آپس میں بھائی بھائی بن کر زندگی گزارو۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر ۶۰۶۴)

قالَ ابو حاتم رضی اللہ عنہ الواجب العاقل لزوم السلامة بترک التجسس عن عیوب الناس مع الاشتغال باصلاح عیوب نفسه، فان من اشتغل بعیوبه عن عیوب غیره اراح بدنه، ولم یتعب قلبه، فکلما اطلع علی عیب لنفسه هان علیه مایری مثله من اخیه، وان من اشتغل بعیوب الناس عن عیوب نفسه عَمِیَ قلبه وتعب بدنه، وتعذر علیه ترک عیوب نفسه وان من اعجز الناس من عاب الناس بما فیهم واعجز منه من عابهم بما فیه من عاب الناس عابوه۔

ابن حبانؒ نے ابوحاتم رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے عقل مند پر بدگمانی کو ترک کرنا لازم ہے، لوگوں

کے عیوب سے، مشغول رہنا اپنے عیوب کے اصلاح کے ساتھ اس لئے کہ جو اپنے عیوب کو چھوڑ کر دوسروں کے عیوب پر نظر رکھتا ہے اس کا دل اندھا ہوجاتا ہے اور اس کا جسم تھک جاتا ہے اور اس کے لئے اپنے عیبوں کو درست کرنا مشکل ہوجاتا ہے اور لوگوں میں سب سے کمزور وہ ہے جو لوگوں کی عیب جوئی کرے۔ (ابن حبان روضۃ العقلاء:ص۱۲۹)

خلاصہ: بدگمانی ایک ایسا ناسور ہے جس نے بہت سے لوگوں کے درمیان نفرت کی خلیج پیدا کی ہے، رشتہ داریاں اور قرابت مندیاں فاصلوں میں بدل گئی ہے، لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ایسے نازک حالات میں اپنے گمانوں کو صاف رکھیں اور سوچ کو پاکیزہ بنائیں۔ مزید یہ کہ ہم بدگمانی سے محفوظ رہیں اور دسروں کو بھی بدگمانی سے بچنے کی تلقین کریں۔ رب کریم سے دعا ہے کہ اللہ تعالی تمام امت مسلمہ کو بدگمانی سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

کہاں سے لائیں تجھ جیسا؟

ازقلم: محمد منظور امین اسعد نگر ملوا

اس بے سواد عاجز نے اپنی ان گنہ گار آنکھوں سے کِرمِ کتابی دیکھا ہے، جس نے اپنے گراں مایہ متاعِ زیست کا ہر لمحہ کتابوں سے استفادے اور لوگوں کے افادے میں صرف کیا، جو درس وتدریس کے شغل میں ایسے منہمک ہوئے کہ انہیں امام التدریس تسلیم کیا گیا، مطالعے میں موم کے مانند پگھلنے والے، چمنستان ادب میں پروانوں کی طرح سیر کرنے والے، صحرائے علم میں بادیہ پیمائی کرنے والے استاذ محترم حضرت مولانا ومفتی سعید احمد پالن پوری نور اللہ مرقدہ کی ستودہ صفات کی حامل شخصیت کو جس نے دیکھا، جس نے ان کو دینی محفلوں میں سنا، جس کو ان کے درس بخاری میں شرکت کا موقع ملا، جس نے ان کے در دولت حاضری دی، وہ تسلیم کرے گا ان کے جیسے محنت کے عادی، علوم متداولہ میں ایسا کامل استحضار رکھنے والے، درس نظامی میں پڑھائے جانے والے جمیع فنون میں مکمل دست رس رکھنے والے تلاش بسیار کے باوجود ملنے مشکل ہیں، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی ذات کو علم کے لیے وقف کر دیا تھا، انھیں پڑھنے پڑھانے کا ایسا چسکہ لگا کہ زندگی کے کسی دکھ، درد، اور غم کو خاطر میں لائے بغیر مشغلۂ تدریس کو جاری رکھنے میں کوہ ہمالیہ ثابت ہوئے، ان پر غم کے پہاڑ ٹوٹے، اس سے وہ بہ جائے پست حوصلہ ہونے کے حوصلہ بدوش ہوئے، مسلسل امراض اور پے در پے اعذار سے یومیہ سبق کا تسلسل ختم کرنے کا ان کے یہاں تصور بھی نہیں تھا، ان کو بخاری شریف سے عشق تھا، ایسی محبوبیت اور محویت میں بخاری شریف کا درس دیتے کہ حاضرین درس عش عش کرتے، احادیث شریف کی تشریح ایسے دل آویز اور طرب انگیز طریقے سے کرتے کہ سامعین جھوم اٹھتے، ممبئی میں حضرت کی ہارٹ سرجری ہوئی، اسپتال سے چھٹی ہوئی، ڈاکٹروں کی ہدایات کے مطابق کچھ دن زیادہ بولنے سے روکا گیا تھا، لیکن حضرت نے واپس دیوبند پہنچ کر بخاری شریف کا درس شروع کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ طبیعت دوبارہ خراب ہوئی، اور حضرت کو دوبارہ ممبئی میں داخل کرایا گیا۔

2012 عیسوی میں عاجز کو حضرت کے پاس بخاری شریف پڑھنے کی سعادت ملی، پورے سال پابندی کے ساتھ سبق میں حاضر ہوا، یاد نہیں پڑتا کہ حضرت نے ایک دن بھی سبق ناغہ کیا ہو، اپنی عمر کے ساتویں دہے میں تھے، اس عمر میں قویٰ مضمحل ہونے کی وجہ سے تدریس جیسے محنت طلب کام میں پوری طرح کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں، اور اس عمر میں مختلف امراض کا ہجوم رہی سہی کسر کو ختم کر دیتا ہے، لیکن حضرت اس عمر میں بھی ایسے استقلال اور ہمت کا مظاہرہ کرتے کہ جوانوں کو بھی رشک آنے لگتا، ان کی درسی پابندی کوتاہ ہمتوں کے لیے قابل عمل نمونہ تھی، صبر شکن حالات میں بھی سبق میں غیر حاضری نہیں کرتے تھے۔

2012 میں حضرت کی رفیقۂ حیات، جن کے ساتھ۔ بے شمار خوشیوں کے اوقات، غموں کے لمحات گزارے، جو دکھ درد کی گھڑیوں میں سہارا اور تسلی کا باعث تھیں، اچانک نماز فجر کے وقت داغ مفارقت دے گئیں، دارالعلوم میں ان کے انتقال کی خبر آناً فاناً پھیل گئی، خویش واقارب کے انتظار میں نماز جنازہ ظہر بعد ادا کی گئ، نماز عصر سے تھوڑا پہلے تدفین کا مرحلہ پورا ہوا، بل کہ تربت پر مٹی ڈالنے کا سلسلہ مغرب تک جاری رہا، حضرت رحمہ اللہ تعالی مغرب بعد بخاری شریف کا درس التزاماً دیتے تھے، حضرت کی اہلیہ کے انتقال کا پر ملال واقعہ اچانک رونما ہوا تھا، اس غیر معمولی اندوہ ناک حادثے کی وجہ سے حضرت کو غم ہونا ایک فطری چیز تھی، گجرات سے لواحقین اور دیوبند کے قرب و جوار سے تعزیت کرنے والوں کا سیلاب امنڈ پڑا تھا، لیکن حضرت علیہ الرحمہ اسی دن مغرب بعد درس بخاری کے لیے دارالحدیث حاضر ہوئے، چہرے پر حزن و ملال کے آثار نمایاں طور پر عیاں تھے، بڑے افسوس بھرے لہجے میں فرمایا: پاگلوں! (حضرت طلبہ کو از راہ محبت اس لفظ سے خطاب کرتے تھے) میرے گھر تعزیت کرنے والوں کا تانتا لگا ہوا ہے، دور دراز سے آنے والوں کی بھیڑ جمع ہے، میں ان سب کو چھوڑ کر پڑھانے آیا ہوں، تمہارا تعلیمی نقصان میرے لیے ناقابل برداشت ہے، میں نے آج بھی سبق میں حاضری کو اہم اور ضروری سمجھا، پھر حضرت نے با آواز بلند حسب معمول کلمہ طیب کا ورد

کرتے ہوئے حدیث مبارکہ کی تلاوت شروع کی، ہمیشہ کی طرح حدیث کا درس دیا، حسب سابق وقت ہی پر سبق پورا ہوا، اور واپس گھر تشریف لے گئے، حضرت رحمہ اللہ علیہ کی اس عالی ہمتی، بلند حوصلگی کو دیکھ کر طلبہ بھی عالم حیرت میں پڑ گئے، پورے گھر میں سوگ کا ماحول ہے، خاندان میں موت کا غم ہے، سب لوگ اشک کناں ہے، اہل تعلق ایک دوسرے سے بغل گیر ہوکر غم غلط کرنے میں لگے ہوئے ہیں، لیکن یہ علم دوست، تدریس کا شیفتہ، اپنے ناتواں جسم میں زخمی دل لیے اشک بار آنکھوں کے ساتھ دارالحدیث میں حاضر ہوکر قال اللہ اور قال الرسول کی صدائے دل نواز سے دارالعلوم کی درو دیوار کو منور کرتا ہے، حضرت اعصاب شکن حالات اور دل دوز واقعات میں بھی پہاڑوں جیسی ہمت دکھاتے تھے، اللہ نے انھیں بڑے دل سے نوازا تھا، اب جسم کارواں رواں زبان حال سے گویا ہے کہ کہاں سے لائیں تجھ جیسا عاشق بخاری، علم کا شیدائی۔

اللہ غریق رحمت کرے، اوران کا نعم البدل عطا کرے۔آمین۔

نظم

یاسر ابوالعاص
سانتھا،سنت کبیر نگر،یوپی

دل کے تہہ خانے میں اِک حرفِ دعا رکھتا ہوں
اپنی خواہش کا گلا ایسے دَبا رکھتا ہوں

میرے کردار پہ انگلی جو اٹھاتے ہیں، سنو
میں ہوں جیسا بھی مگر، پاسِ وفا رکھتا ہوں

ایسے الفاظ نہ مل پائے، بیاں ہوں جس سے
اپنے جذبات، جو سینے میں چھپا رکھتا ہوں

یہ بھی خواہش ہے کہ کچھ لوگ مخالف ہوں مرے
ورنہ احباب تو میں بیش بہا رکھتا ھوں

مرحلے زیست کے آسان سبھی ہو جائیں
گر مٹا دوں میں یہ جو خواب سجا رکھتا ہوں

جانے کیوں دیکھ کے چھپتا ہے وہ مجھ سے یکسر
ایک میں ہوں کہ فقط شوقِ لقا رکھتا ہوں

مجھ سے شاہوں کو سلامی کی توقع مت رکھ
کیونکہ میں دل میں فقط خوفِ خدا رکھا ہوں

ہر جگہ زخم کا مرہم نہیں ملتا اے دوست
آ مرے پاس کہ میں خاکِ شفا رکھتا ہوں

حاصل مطالعہ (۳)

از: معارف القرآن ادریسی

جامع ومرتب: عبدالاحد بستوی

(۱۱) انسان کے لیے تین چیزوں کا جاننا ضروری ہے

انسان کے لیے تین چیزوں کا جاننا ضروری ہے:

(۱) کہاں سے آیا ہے؟ (۲) اور کہاں رہتا ہے؟ (۳) اور کہاں جانا ہے؟

"الَّذِی خَلَقَکُم" میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم عدم سے آئے ہو، اور "الَّذِی جَعَلَ لَکُمُ الأَرْضَ فِراشاً الخ" سے اس طرف اشارہ ہے کہ چندروز زمین میں قیام ہے، اور "فاتقوا النار" سے اس طرف اشارہ ہے کہ عالمِ آخرت کو جانا ہے، (لہذا) عذابِ الہی سے بچنے کی کوشش کرو۔ (معارف القرآن ادریسی/ ج ۱/ ص ۱۰۴)

(۱۲) سجدہ کی دو قسمیں ہیں

"سجدہ" کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ **ایک:** سجدۂ عبادت، یعنی کسی کو خدا اور معبود سمجھ کر سجدہ کرنا۔ اس قسم کا سجدہ تمام ملّتوں میں کفر ہے اور شرک ہے، اس قسم کا سجدہ کسی ملت اور شریعت میں کسی وقت میں جائز نہیں رکھا گیا۔

۲۔ **دوسرا:** سجدۂ تحیّت وتکریم، یعنی بطورِ تعظیم کسی کے سامنے سر جھکانا، جیسے ابتداءِ ملاقات میں سلام کرتے ہیں۔

اسی طرح شرائعِ سابقہ میں بطورِ تسلیم یہ "سجدۂ تکریم" مشروع تھا۔ شریعتِ محمدیہ نے اب اس کو بھی ممنوع اور حرام قرار دیا ہے، جیسا کہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ متواترہ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔

دونوں سجدوں میں فرق اتنا ہے کہ "سجدۂ عبادت" تو کفر ہے، اور "سجدۂ تعظیم" حرام ہے، یا یوں کہو کہ "سجدۂ عبادت" شرکِ اعتقادی، اور "سجدۂ تعظیمی" شرکِ عملی ہے۔ تمام اہلِ اسلام کا اس پر اتفاق

ہے کہ یہ (فرشتوں کا آدمؑ کو سجدہ کرنا) "سجدۂ عبادت" نہ تھا، اس لیے کہ "سجدۂ عبادت" سوائے خدا کے کسی کو کرنا کفر ہے، اور اللہ تعالیٰ کفر کا حکم نہیں دیتا، یہ سجدۂ تعظیم وسلام تھا، جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ہے: "خَرُّوا لَهُ سُجَّداً"۔ (معارف القرآن ادریسی/ ج ۱/ ص ۱۲۶)

(۱۳) عُنصرِ تُرابی وعُنصرِ ناری

ابلیس علیہ اللعنۃ الی یوم القیامہ نے جب سجدہ سے انکار کیا تو علت یہ بیان کی (کہ): أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ"۔

ترجمہ: "اے خدا! میں آدم سے بہتر ہوں، تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا، اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا"۔

اور آگ مٹی سے بہتر ہے، اس لیے میں آدم سے بہتر ہوں۔ مگر اس کا یہ دعویٰ کہ آگ مٹی سے بہتر ہے؛ بالکل غلط ہے، بلکہ "عنصر ترابی" کا "عنصر ناری" سے بہتر ہونا متعدد وجوہ اور دلائل سے ثابت ہے:

(۱) آگ بالطبع مُضِر اور مُہلک ہے، اِحراق اور اِتلاف اس کا خاصہ ہے بخلاف تُراب (مٹی) کے، کہ وہ نہ مہلک ہے اور نہ مُحرِق۔

(۲) آگ کی طبیعت ہی خِفّت اور حِدّت اور طَیش سے بھری ہوئی ہے، بخلاف تُراب کے کہ اس میں رَزَانت ووقار، سکون اور ثبات ہے۔

(۳) زمین ہی حیوانات کے اَرزاق واَقوات اور انسانوں کے لباس اور زینت اور تمام سامانِ معیشت کا مَعدَن اور منبع ہے، بخلاف آگ کے کہ وہ ان تمام نفع رسانیوں سے بالکل بیگانہ ہے۔

(۴) عُنصرِ تُرابی کی ہر حیوان کو ضرورت ہے، کوئی حیوان زمین سے مُستغنی نہیں، بخلاف عنصر ناری کے کہ وحوش وبہائم تو اس سے بالکل مستغنی ہیں، انسان بھی بعض اوقات آگ سے مستغنی ہوجاتا ہے۔

(۵) زمین میں کسی شے کا اگر ایک تُخم بھی ودیعت رکھ دیا جاتا ہے تو زمین ایک تُخم کو أَضعافاً مُّضاعَفه بنا کر واپس کردیتی ہے، (جب کہ) آگ میں جو کچھ بھی رکھا جائے جلا کر سب کو خاکستر بنا دے گی۔

(۶) حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن کریم میں بکثرت زمین اور زمین کے منافع کا ذکر فرمایا ہے کہ زمین کو ہم نے مِہاد اور فراش بساط اور قرارِ احیاء اور اموات کا ماویٰ اور ملجاء بنایا، زندہ اس پر زندگی بسر کرتے ہیں، اور مَرکر اس میں دفن ہوتے ہیں، اور بار بار زمین اور زمین کے عجائب میں تفکُّر اور تدبُّر کا حکم دیا، بخلاف آگ کے کہ اکثر و بیشتر اس کو موقعِ عِقاب و عذاب اور مقامِ تخویف و ترہیب میں ذکر فرمایا۔ صرف ایک دو جگہ یہ ارشاد فرمایا ہے: "تذکرۃً وّمَتَاعًا للمقوین"۔ کہ یہ آگ آخرت کی آگ کی یاددہانی اور مسافروں کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

(۷) حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں بار بار زمین کا منبع برکات اور سرچشمہ ہونا بیان فرمایا ہے، کما قال تعالیٰ: "أئنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَه اندادًا ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ.وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فی أربعة أَيَّامٍ" آیا ہے، اس آیت میں برکت عامہ کا ذکر فرمایا۔ اور آیت "وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ"۔ اور آیت "وَجَعَلْنَا بينهم وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً"۔ اور آیت "وَلِسُليمانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا" میں ان برکات کو ذکر فرمایا کہ جو زمین کے خاص خاص قطعوں کو حاصل ہیں۔

بہرحال زمین برکاتِ عامّہ اور برکاتِ خاصّہ دونوں کا معدن اور منبع ہے، بخلاف آگ کے کہ وہ منبعِ برکات تو کیا ہوتی؛ اس کے برعکس وہ تو برکات کی مٹانے والی اور فنا کرنے والی ہے۔

(۸) مساجد اور وہ بُیوت کہ جن میں صبح و شامِ اللہ کا نام لیا جاتا ہے، ہر وقت اس کی عبادت اور بندگی سے معمور رہتے ہیں؛ وہ سب زمین ہی پر واقع ہیں، تمام روئے زمین پر اگر سوائے اس بیت حرام کے جس کو خدا نے مبارک اور "هدی للعالمین" اور "قیامًا لِلنَّاسِ" فرمایا ہے؛ اور کچھ بھی نہ ہوتا تو یہ زمین کے شَرَف اور فضیلت کے لیے کافی اور وافی تھا۔

(۹) جو چیزیں زمین سے پیدا ہوتی ہیں" آگ" ان کی خدمت کے لیے ہے، جب ضرورت ہوتی ہے تب آگ سلگائی جاتی ہے، ضرورت ختم ہوتے ہی آگ کو بجھا دیا جاتا ہے، آگ زمین کے لیے

بمنزلہ ایک خادم کے ہے اور زمین بمنزلہ مخدوم کے ہے۔

(۱۰) علاوہ ازیں اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ "نار" "تُراب" سے بہتر ہے؛ تب بھی یہ استدلال فاسد ہے، اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ ایک شے کا مادہ دوسری شئ کے مادہ سے مفضول اور کمتر ہو، مگر وہ شئ بہ ہیئتِ موجودہ دوسری شئ سے افضل اور بہتر ہو، مثلاً انبیاء ومرسلین نُطفہ اور علَقہ سے پیدا کئے گئے، اور ملائکہ نور سے پیدا کئے گئے، مگر خدائے عزوجل نے انبیاء ومرسلین کو ملائکہ مقربین پر فضیلت دی، آدم علیہ السلام کو مسجودِ ملائکہ بنایا، اور جبرئیلؑ اور میکائیلؑ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا آسمانوں پر وزیر بنایا، اور ابوبکرؓ وعمرؓ کو زمین میں آپ کا وزیر اور مُشیر بنایا۔ (معارف القرآن ادریسی/ ج ا/ ص ۱۲۶ تا ۱۲۸)

(۱۴) جنت میں داخلہ ہمیشہ کیلئے ہوگا

یہ سوال کہ جنت میں جانے کے بعد وہاں سے نکلنا نہیں، تو حضرت آدمؑ جنت میں جانے کے بعد کیسے نکلے؟

جواب یہ ہے کہ قیامِ قیامت کے بعد جو جنت میں داخل ہوگا وہ کبھی جنت سے نہ نکالا جائے گا، اللہ نے دُخولِ جنت پر جو خُلود اور دَوام کا وعدہ فرمایا؛ اس دُخول سے وہ دُخولِ جنت مراد ہے جو قیامِ قیامت اور جزاء اور سزا کے بعد ہوگا۔ کیا احادیثِ صحیحہ سے یہ ثابت نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے لیلۃ المعراج میں جنت کی بھی سیر فرمائی، اور پھر صبح سے قبل ہی اس عالم میں تشریف لے آئے، اسی طرح حضرت آدمؑ کے دُخول کو سمجھئے! (معارف القرآن ادریسی/ ج ا/ ص ۱۳۰)

(۱۵) عِصْمَت کے معنی

عصمت کے معنی یہ ہیں کہ: ظاہر و باطن نفس اور شیطان کی مُداخَلت سے پاک اور مُنزّہ ہوں، اور "نفس" اور "شیطان" یہی دو چیزیں مادۂ معصیت ہیں، اور مادۂ معصیت سے پاک ہونے کا نام "عصمت" ہے، اور معصوم وہ شخص ہے جو اپنے تمام اِعتقادات اور نیّات اور اِرادات اور مقامات اور اخلاق وعادات اور عبادات ومعاملات اور اقوال وافعال میں نفس اور شیطان کی مداخلت سے محفوظ ہو، اور حفاظتِ غیبی اس کی مُحافظ اور نگہبان ہو کہ اُن سے کوئی ایسی شئ سرزد نہ ہو جائے کہ اُن کے دامنِ

عصمت کہ آلودہ کر سکے، حق جل شانہ کی نظرِ عنایت اور فرشتوں کی مُحافظت ان کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہو، جو کشاں کشاں ان کو راہِ راست پر چلاتی ہو، اور خلافِ حق کے میلان سے بھی اُن کی مانع ہو۔

حق جل شانہٗ نے قرآن کریم میں انبیاء کرامؑ کو "مُرتضیٰ" اور "مُصطفین الاخیار" اور "عباد مخلصین" فرمایا ہے، جس سے "من کل الوجوہ" اِرتضا اور اِصطفاء اور اخلاصِ کامل مراد ہے، اور مخلص وہ ہے کہ جو خالص اللہ کا ہو، غیر اللہ کا اس میں شائبہ نہ ہو، یعنی مادۂ شیطانی سے بالکلیہ پاک ہو، لہذا ضروری ہوا کہ نبی صغائر اور کبائر دونوں سے معصوم ہو، اس لیے کہ مادۂ شیطانیہ ہی صغائر اور کبائر کا منشاء ہے، اور حق جل شانہٗ کے اس ارشاد "الامَنِ ارۡتَضیٰ مِن رَّسُولٍ" میں لفظ مِنۡ بیانیہ ہے، اور لفظ "رسول" نکرہ لایا گیا ہے، معلوم ہوا کہ ہر رسول کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا پسندیدہ اور برگزیدہ بندہ ہو، یعنی تمام اخلاق و عادات اور افعال و ملکات اور احوال و مقامات میں "من کل الوجوہ" حق تعالیٰ کا برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ ہو، اور بلا شرکتِ غیرے خالص اللہ کا بندہ ہو، اور ظاہر ہے کہ ان آیات میں بعض وجوہ سے پسندیدگی مراد نہیں، اس لیے کہ بعض وُجوہ سے تو ہر مسلمان خدا کا پسندیدہ بندہ ہوتا ہے۔

پس عصمت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام تمام اخلاق و ملکات و عادات و حالات، اقوال و افعال و عبادات و معاملات میں سرتاپا پسندیدۂ خداوندی اور برگزیدۂ ایزدی ہوتے ہیں، اور ظاہراً اور باطناً دخلِ شیطانی اور عوارضِ نفسانی سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں، ایک لمحہ کے لیے بھی عنایتِ ربانی و حمایتِ یزدانی سے علیحدہ نہیں ہوتے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حضرات انبیاءؑ کی بے چون و چرا اطاعت فرض ہے، اور ان کا ہر قول اور ہر فعل قابلِ قبول ہے، اور اُن کی اطاعت سے اِنحراف شَقاوتِ ابدی اور خُسرانِ دارَین کا موجب ہے، حضرات انبیاء کرامؑ سے اگر کسی وقت بمقتضائے بشریت کوئی لغزش بطورِ سہو و نسیان صادر ہو جاتی ہے تو وہ باہر سے آتی ہے، اندر سے نہیں آتی، جیسے آبِ گرم میں حرارت خارجی اثر سے آتی ہے، باقی پانی میں مادۂ حرارت کا نام ونشان نہیں، پانی کی طبیعت میں سوائے بَرودَت کے کچھ بھی نہیں، یہی وجہ ہے کہ پانی کتنا ہی گرم ہو اگر آگ پر ڈال دیا جائے تو آگ فوراً بجھ جاتی ہے، اسی طرح حضرات انبیاء کرامؑ کا باطن مادۂ معصیت (نفس و شیطان) سے بالکل پاک ہوتا ہے،

البتہ کبھی خارجی اثر سے کوئی لغزش ہوجاتی ہے، لیکن فوراً ہی دستِ قدرت اس باہر سے آئے ہوئے غُبار کو چہرۂ عصمت سے صاف کردیتا ہے، اور چہرۂ نبوت پہلے سے زیادہ صاف اور روشن ہوجاتا ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کے قصہ میں حق جل شانہ کا ارشاد: كَذٰلِكَ لِنَصۡرِفَ عَنۡهُ السُّوۡٓءَ وَالۡفَحۡشَآءَ‌ؕ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُخۡلَصِيۡنَ.

ترجمہ: "(اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے خالص بندوں کے ساتھ) ایسا ہی ہوتا ہے، تاکہ (یوسفؑ) سے برائی اور بے حیائی یعنی صغیرہ اور کبیرہ کو اس سے دور رکھیں، کیونکہ وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے"۔

اسی طرف مشیر ہے، کیونکہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ "سوء" اور "فحشاء" کو یوسفؑ سے دور رکھیں، اور یہ نہیں فرمایا کہ یوسفؑ کو "سوء" اور "فحشاء" سے دور رکھیں۔ پھیرنا اور ہٹانا اور دور رکھنا اس کے حق میں ہوتا ہے جو آنا چاہتا ہو، معلوم ہوا کہ "سوء" اور "فحشاء" حضرت یوسفؑ کی طرف آنا چاہتا تھا، جس کو حق تعالیٰ نے یوسفؑ کی طرف آنے سے روک دیا، حضرت یوسفؑ ادھر جانا نہیں چاہتے تھے۔ معاذ اللہ! اگر حضرت یوسفؑ کا مَیلان "سوء" اور "فحشاء" کی طرف ہوتا تو حق تعالیٰ اس طرح فرماتے: "كَذٰلِكَ لِنَصۡرِفَهٗ عَنِ السُّوۡٓءِ وَالۡفَحۡشَآءِ" یعنی ہم نے یوسفؑ کو "سوء" اور "فحشاء" سے روکا اور بچایا، معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام تو "سوء" اور "فحشاء" سے بھاگ رہے تھے، مگر "سوء" اور "فحشاء" اُن کے پیچھے لگا ہوا تھا، جس کو دستِ قدرت نے دھکے دیدیئے اور یوسف علیہ السلام کو بالکل بچالیا، کیونکہ یوسف علیہ السلام تو خالص اللہ کے بندے تھے، اُن کا قلب مادۂ معصیت "سوء" اور "فحشاء" سے بالکلیہ پاک تھا، زلیخا کی طرف سے یہ "سوء" اور "فحشاء" چلا، مگر حق تعالیٰ کی رحمت اور حمایت نے اس کو خدا کے مخلص اور برگزیدہ بندہ تک پہنچنے نہ دیا۔

غرض یہ کہ خارجی اثر کی بناء پر حضرات انبیاء کرامؑ سے بطریقِ سہو ونسیان جو لغزش ہوجاتی ہے؛ تو محض صورت کے اعتبار سے اس پر "عِصیان" یا "معصیت" کا اطلاق ہوجاتا ہے، یا اُن کے مقامِ عالی اور مرتبہ عُلیا کے لحاظ سے اسکو "عِصیان" کہہ دیا جاتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی/ ج ۱/ ص ۱۳۵ تا ۱۳۷ ملخصا)

جاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

”اُدھار لی گئی کتب پر تعلیقات وتعدیلات“

(علماء وطلباء کے لیے مفید باتیں)

حافظ محمد طاہر

اُدھار لی گئی کتاب میں اپنی طرف سے کچھ لکھنے اور تصحیح و درستگی کرنے کے متعلق فقہاء کے ہاں تفصیل ہے۔

اُولاً: اگر قرآنی آیت کی کتابت میں کوئی غلطی ہو تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ اُس کی تصویب کرنا لازمی ہے، کیوں کہ اس کا حکم مصحف والا ہے۔

ثانیاً: اگر قرآنی آیت کے علاوہ کہیں غلطی ہو تو کتاب کی نوعیت کو دیکھا جائے گا۔

(الف) اگر کتاب وقفِ عام ہو تو اس کی لازمی طور پر درستگی کردی جائے گی۔

(ب) اگر کتاب کسی کی ذاتی ملکیت ہو تو دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ مالکِ کتاب کو اپنی کتاب پر کچھ بھی لکھنا ناپسند ہو تو غلطی کو ویسے ہی چھوڑ دیا جائے اور مالک کو واپس کرتے وقت مطلع کردیا جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مالکِ کتاب کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا تو اس صورت میں خود سے تصحیح و درستگی لازمی نہیں؛ البتہ اگر کردی جائے تو بہتر ہے۔

نوٹ

1۔ کوئی بھی تصحیح کرنے سے قبل پوری تسلی کرلی جائے کہ جو کتاب میں لکھا ہے وہ قابلِ اصلاح ہے۔

2۔ اگر اپنی لکھائی اچھی ہو تو ٹھیک ورنہ درستگی کسی اچھی لکھائی والے سے کروائی جائے۔

3۔ کسی کلمے یا لفظ کی تصحیح و تصویب اَصل متن میں کرنے کی بجائے، نیچے حاشیے میں یا صفحے کے کنارے یا کونے پر کریں۔ اَنداز یہ ہو کہ: شاید یہ لفظ ایسے ہے۔ یہ کلمہ یوں درست معلوم ہوتا ہے

وغیرہ وغیرہ۔

4۔ فقہی مسائل پر اپنی تعلیقات سے گریز چاہیے کہ راجح یہ ہے اور فلاں مرجوح ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے مالکِ کتاب کے نزدیک وہ راجح نہ ہو۔

(الشرح الممتع للشيخ محمد بن صالح العثيمين: ۱۳۰/۱۰، أحكام الكتب فى الفقه الإسلامى لد كتور. ياسين بن كرامة الله مخدوم: ۲۵۹/۱-۲۶۲، أحكام الكتب فى أبواب الفقه الإسلامى لعبد الله بن عبد العزيز بن محمد الغملاس، ص۱۶۹، إعارة الكتب أحكامها وآدابها فى الفقه الإسلامى لد كتور. صالح بن محمد الرشيد، ص۴۰-۴۳)